حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے علوم شریعت، طریقت اور حقیقت (معرفت) سے کتابچوں کا سلسلہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر 5

(رمضان۔ 1442ھ) بمطابق (احزاب۔1399 شمسی ہجری)
بمطابق (اپریل ۔2021ء)

زیر سرپرستی

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہ العالی

مقصد: اسلاف کی تحقیقات سے اُمت کو آجکل کی سمجھ میں آنے والی زبان میں روشناس کرنا

مجلس تحقیقات

زین العابدین صاحب مدظلہ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ

مکان نمبر CB-1991/1 ۔ بلمقابل جامع مسجد سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ
گلی نمبر 4 ۔ نزد آشیانہ چوک۔ اللہ آباد۔ ویسٹرج 3 ۔ راولپنڈی

مضامین کی فہرست

عنوانات	1
1 دیباچہ	2
2 حمد	3
3 نعت	4
4 گرمیوں کے روزے	5
5 آج کی بات	6
6 سوال و جواب	10
7 تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ	15
8 مقامات قطبیہ ومقالات قدسیہ	45
9 شمسی ہجری تقویم (کیلینڈر) حصہ	65
10 خانقاہ کے شب و روز	76

دیباچہ

الحمد للہ پانچواں شمارہ شاہراہ معرفت کا آپ کے سامنے ہے ۔اس میں تاخیر کی بار بار ہمیں معذرت کرنی پڑتی ہے لیکن یہ چونکہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد شمارہ ہے جس میں حالات حاضرہ کے برعکس بزرگوں کے فیوضات و معارف سے استفادہ کی کوشش کی جارہی ہے اس کے لئے ہم سب کو ان شاء اللہ یہ تاخیر برداشت کرنا مشکل نہیں ہوگی۔اس شمارہ میں حسب معمول حمد و نعت کے ساتھ ایک عارفانہ کلام پیش کرنے کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیماتؒ ،حضرت کاکا صاحبؒ کے مقامات قطبیہ اور حلیم باباؒ کے مقالات قدسیہ کو پیش کیا جارہاہے۔اس کے بعد چونکہ آنے والامہینہ رمضان المبارک کاہے تو رمضان شریف کے سلسلے میں "آج کی بات "تحریر کی جارہی ہے ۔عقائد کی اہمیت کے پیش نظر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ان مکتوبات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں جن میں عقائد حضرتؒ نے اپنے منفرد طرز سے بیان کی ہیں۔ ۔ چونکہ جلد اول کے مکتوب نمبر 17 اور 67 میں عوام کے لیے نسبتاً آسان انداز میں عقائد بیان کیے گیے ہیں اس لیے ان کو اس دفعہ علیحدہ پیش کیا جارہاہے، اور مکتوب نمبر 266 جو حضرت نے خصوصی طور پر اپنے شیخ کے صاحبزادگان کے لیے تحریر فرمایا تھا اور کلامی لحاظ سے بھی اہم ہے، اس کو انشاء اللہ بعد میں پیش کیا جائے گا۔

مقامات قطبیہ کے بارے میں درس نمبر 2 اس دفعہ پیش کرنے کی سعادت نصیب ہورہی ہے جس میں حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقامِ عبدیت کا تذکرہ کیاہے اور حضرت حلیم گل بابا رحمۃ اللہ علیہ کے استفسار کا تذکرہ ہے۔ محبت ذاتی کا تذکرہ ہے ۔ اس درس میں نماز میں عبدیت کی شان کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

اس دفعہ ایک منفرد مقالہ جو شمسی ہجری کیلنڈر اور امت مسلمہ کے لئے اس کی اہمیت بھی پیش کیا جارہاہے جس کا صحیح مزہ تو اس کے پڑھنے کے بعد آئے گا تاہم اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالی کی مدد سے یہ ان خوبیوں پر مشتمل کیلنڈر ہے جس کی طلب پوری دنیا کو ہے لیکن ان سے بن نہیں سکا۔کاش مسلمان کچھ جاگ جائیں اور خود سوچنا شروع کرلیں اور بند آنکھوں سے کفار کی تقلید چھوڑ دیں تو اس کیلنڈر کے بارے میں ان کو آگاہی ہوگی کہ ہمارے لئے یہ کتنا ضروری ہے۔

مفید مشوروں کی درخواست کے ساتھ آپ کے رسالے کے درمیان سے نکلتا ہوں۔اللہ تعالی ان مضامین کی تمام برکات ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین

سید شبیر احمد کاکاخیل

حمدِ باری تعالیٰ

اس میں گم ہو جانا وصال ہے بس
یہ فنا ہے یہی کمال ہے بس

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے
تری ہستی کا رنگ و بو نہ رہے

علم حق علم صوفی میں گم ہے
عام لوگوں کے سامنے مبہم ہے

اس میں گم ہو کہ ہے توحید یہی
اس کو بھی بھول جا ، ہے تفرید یہی

گفت اس کا ہے مگر گفتِ خدا
ہے بظاہر برلبِ عبداللہ

اس میں فنا ہی بقا کا ہے راز
خاتمہ شر کا خیر کا آغاز

یہ فنا عبدیت کی راہ بنے
فانی باقی عبد اس کی چاہ بنے

دل سے شبیؔر اس کا بن جانا
وہ بھی تیرا بنے یہ من جانا

نعت شریف

خوب گبندا خضرا کا نظارہ یہاں ملے
حق سے قبولیت کا سہارا یہاں ملے

یٰسین کا، طٰہٰ کا، لقب جن کا ہے ان سے
عاصی کو شفاعت کا اشارہ یہاں ملے

جس سینے پہ نازل ہوا قرآن ہے آپ کا
آج ان سے نور کا ہم کو فوارہ یہاں ملے

برداشت نہ ہو پہاڑ سے جب قرآن کا نزول
وہ آپ نے اٹھایا ہے یہ سارا یہاں ملے

تم میرے ہو شبیرؔ میرے ساتھ ہی رہو
حق کے فضل سے بول یہ پیارا یہاں ملے

گرمیوں کے روزے

گرمیٔ عشق سے روزوں کو گرمیوں میں رکھ
نام اس سے خوب اس کے چاہنے والوں میں رکھ

ان گرمیوں کو جہنم کی یاد سے کر برداشت
قوت خوب ذکر کی تب اپنے حوصلوں میں رکھ

نفس کو اس میں دبانا جوہے ہے خوب اس میں
نفس اگر مچلے قابو اس کو بازوؤں میں رکھ

اس سے قابو میں یہ نفس آئے تو کیا خوب ہوپھر
یہی تقویٰ ہے نظر اس پہ خوب روزوں میں رکھ

نور تقویٰ سے مزین کرو خوب دل اس میں
اس سے نام اپنا اولیاء کے سلسلوں میں رکھ

روزہ اس کے لئے ہے خود ہی وہ فرماتے ہیں یہ
خود ہی دیں گے وہ جزا اس کی یہ خیالوں میں رکھ

جتنا مشکل ہو قدراس قدر ہو زیادہ شبیؔر
اس حقیقت کا بیان اپنے ان شعروں میں رکھ

آج کی بات

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ۔ اَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۝

وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ۝ (حٰمٓ اَلسَّجۡدَۃ: ۳۳)۔ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۝(البقرۃ: ۱۸۳) صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمِ وَ صَدَقَ رَسُوۡلُہُ النَّبِیُّ الۡکَرِیۡمِ۝

اس وقت ہم ایک خاص program یعنی خواتین کے جوڑ کی تیاری کر رہے ہیں، جو آج ان شاء اللہ online ہو گا۔ خواتین کا دینی کاموں میں کردار بہت زیادہ اہم ہے، کیونکہ ان کی ذمہ داریاں بہت نازک اور اہم ہیں۔ وہ بچوں کی تربیت کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں اور وہ اس کی ذمہ دار بھی ہیں۔ اس لئے اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے ان کو دین کی بنیادی تعلیم کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر دین کی بنیادی تعلیم ان کے پاس نہیں ہو گی تو وہ اپنے بچوں کی صحیح تربیت کیسے کر سکیں گی؟ لہٰذا دو چیزیں ضروری ہو جاتی ہیں۔ ایک علم نافع جسے اس مقصد کے لئے حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے اور دوسری تربیت۔

چنانچہ علم نافع حاصل کرنے کے لئے الحمد للہ ہم نے whatsapp پر فرضِ عین علم حاصل کرنے کا ایک program چلا رکھا ہے، جس میں شامل ہو کر خواتین الحمد للہ اپنے گھر بیٹھے بیٹھے دین کے بارے میں اہم بنیادی معلومات حاصل کرتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس program چلانے والی خواتین کو اجر دے۔ وہ بہت ہی اہم کام کر رہی ہیں اور ان کے ذریعے سے جتنی خواتین تک حق کا پیغام پہنچ رہا ہے اور دین کی بات پہنچ رہی ہے تو وہ جتنا بھی اس پر عمل کریں گی یا آگے عمل کروائیں گی وہ سب ان کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔ لہٰذا اس پر ان کو بہت شکر ادا کرنا چاہیے۔ یہ تو تعلیم کا سلسلہ ہو گیا۔ اور جہاں تک ان کی تربیت کی بات ہے تو وہ تب ہو سکتی ہے جب انہیں اس کے بارے میں صحیح معلومات ہوں۔ کیونکہ تربیت دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ یعنی اس میں جو کام کرنے ہوں ان کے لئے تیار ہونا، یعنی ذہن سازی کرنا۔ اور پھر ان کاموں کو کرنا۔ کیونکہ کسی بھی کام کے کرنے کے لئے پہلے ذہن بنایا جاتا ہے اور پھر ان کاموں کو کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ

ہمارے ہاں یہ جوڑ اصل میں زیادہ تر ایک قسم کی ذہن سازی ہے۔ اور جن کاموں کے لئے ذہن سازی کی جاتی ہے تو ان پر عمل کرنے کے لئے بھی کچھ کام اس میں ہوتے ہیں۔ اگرچہ اصل تربیت شیخ کے ساتھ تعلق اور رابطے سے ہوتی ہے، ان کی باتوں کو ماننا ہوتا ہے۔ لیکن اس تربیت کے لئے ذہن سازی، ان کاموں کو جاننے اور ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے ان جوڑوں کی بہت اہمیت ہے۔ لہذا آج جو جوڑ منعقد کیا جارہا ہے یہ رمضان شریف کی تیاری کی غرض سے ہے جس میں online رمضان شریف کے فضائل بھی بتائے جائیں گے اور ساتھ ساتھ رمضان شریف کے متعلق معلومات اور مسائل پر بھی بات ہو گی۔ اس لحاظ سے آج کا جوڑ بہت زیادہ اہم ہے کہ اللہ جل شانہ نے جو مہینہ تربیت کے لئے چنا ہے آج اس کی تیاری کرنے کا نظام بتایا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ اللہ پاک نے جس عنوان سے رمضان شریف کے روزوں کا تعارف کرایا ہے، وہ یہ ہے۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ "اے ایمان والو" لہذا جو ایمان والے نہیں ہیں وہ مخاطب ہی نہیں ہیں ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ﴾ "تم پر رمضان شریف کے روزے فرض کئے گئے جیسے تم سے پچھلوں کے اوپر فرض کئے گئے تھے" اس سے معلوم ہوا کہ پہلی امتوں پر بھی روزے فرض تھے۔ آگے فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرۃ: 183) "تاکہ تمہیں تقوٰی حاصل ہو" گویا تقوٰی روزوں کا ایک لازمی نتیجہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ تقوٰی نفس کی مخالفت کا نام ہے۔ یعنی نفس جو اللہ تعالٰی سے بغاوت پہ آمادہ کرتا ہے، اس کی بات نہ ماننا اور اللہ کی بات ماننا تقوٰی ہے۔ لہذا رمضان شریف کے روزوں میں صبح صادق سے لے کے غروب آفتاب تک نفس کی مسلسل خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے فطری تقاضوں کو پورا کرے یعنی کھانے، پینے اور مباشرت میں آزاد ہو۔ لیکن ہم نے اللہ تعالٰی کے حکم کی وجہ سے اس کو پابند کیا ہوتا ہے کہ جائز طریقے سے بھی یہ کام نہیں کرنے۔ کیونکہ روزے کی حالت میں ان تین جائز کاموں کو کرنا بھی ناجائز ہوتا ہے۔ گویا حرام سے بچنا تو لازم ہی ہے وہ تو دین کا حصہ ہے، لیکن آپ ان تین حلال چیزوں سے بھی حرام کی طرح بچتے ہیں۔ جو ایک وقتی ضرورت ہے جس کے ذریعے سے آپ کو تقوٰی حاصل ہوتا ہے، اور اس تقوٰی کے ذریعے سے آپ واقعی حرام چیزوں سے بچتے ہیں۔ میرے خیال میں اس کو آپ اس انداز سے سمجھنے کی

کوشش کریں کہ جو چیزیں اگرچہ حلال ہیں لیکن ان سے ہم ایسے بچتے ہیں جیسے وہ حرام ہوں، حالانکہ وہ حرام نہیں ہیں۔ لیکن اگر ہم اس کو نہیں مانیں گے تو حرام کا ارتکاب ہو گا، کیونکہ اس سے اللہ کا حکم ٹوٹے گا۔ اس لئے کہ اللہ پاک کا حکم یہی ہے کہ رمضان شریف کے روزے رکھو۔ اور جو نہیں رکھے گا تو وہ حرام کا ارتکاب کرے گا۔ یعنی اگرچہ بذاتِ خود ان دنوں میں کھانا، پینا اور مباشرت حرام نہیں ہیں لیکن اللہ پاک کے حکم کو توڑ کر یہ افعال کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ اور حرام سے بچنا چونکہ تقوٰی ہے لہذا اس سے تقوی پیدا ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالٰی کے حکم کی خاطر جب نفس کی مخالفت کی جائے گی تو وہی تقوٰی ہے۔ گویا ہم روزانہ یہ training کرتے ہیں اور روزانہ ہم اس کیفیت سے گزرتے ہیں اور ہم اللہ پاک کا حکم ماننے کے لئے کچھ وقت کے لئے نفس کو دبا لیتے ہیں۔ لہذا انیتس یا تیس دن کی مسلسل ہماری یہ training ہمارے اوپر اثر ڈالتی ہے۔ جیسے میں ایک medical term کی اکثر مثال دیا کرتا ہوں کہ جب thyroid function تیز ہو جاتا ہے جسے hyperthyroid کہتے ہیں، جو ایک خطرناک بیماری ہے، اللہ تعالٰی ہر ایک کو اس سے بچائے، تو اس میں metabolic rate بہت خطرناک حد تک بڑھ جاتا ہے۔ جسے اس وقت لگام دینی ہوتی ہے۔ آج کل ڈاکٹروں نے اس کا یہ طریقہ ایجاد کیا ہے کہ اس کو neo-mercazole گولیاں 2 سال تک مسلسل کھلاتے ہیں جس سے وہ گولیاں thyroid کو باندھ لیتی ہیں اور اس کو کام نہیں کرنے دیتیں۔ اور پھر اگر اس کو thyroxine کی ضرورت ہو تو وہ اس کو باہر سے مہیا کرتے ہیں، لیکن کہتے ہیں تو نے پیدا نہیں کرنا۔ حالانکہ قدرتی طور پر اس میں پیدا ہو رہی ہوتی ہے۔ لیکن قدرتی افزائش کو بند کر دیتے ہیں۔ اور دو سال تک باندھنے کے بعد جب اس کو چھوڑا جاتا ہے تو اس کے function کی hyperness ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ پھر اللہ کے فضل سے پندرہ بیس سال تک کے لئے اس سے جان چھوٹ جاتی ہے اور وہ بالکل ٹھیک کام کرتا ہے۔

یہاں بھی بالکل یہی چیز ہے کہ رمضان شریف کے روزوں میں آپ نفس کو باندھ لیتے ہیں، اسے یہ کام نہیں کرنے دیتے، اور مسلسل باندھ کے رکھتے ہیں تو پھر جب آپ اس کو رمضان شریف کے بعد چھوڑیں گے یا افطار کے وقت چھوڑتے ہیں تو اس کی بغاوت کی sense کہ ہر حالت میں اپنی من مانی کرنی ہے

یہ کمزور پڑ چکی ہوتی ہے۔ نتیجتاً وہ limits میں رہنے کا عادی ہو جاتا ہے، limits کو جان لیتا ہے۔ (یہ بہت اہم مضامین ہیں) لیکن رمضان میں یہ limits ایک time کے لحاظ سے تھیں کہ صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک یہ limit اس پہ لگائی جاتی ہیں کہ اس دوران آپ نے یہ حلال کام بھی نہیں کرنے۔ پھر جب وقت افطار کے بعد آپ کو اجازت مل جاتی ہے تو وہ limit time ختم ہو جاتی ہے کہ اب یہ کرو یا نہ کرو تمہارا اختیار ہے۔ لہٰذا جو چیزیں نہیں کرنی ہوتیں ان کا ماننا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے، اور یہی تقویٰ ہے۔ گویا رمضان شریف کی بدولت تقویٰ کی صلاحیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس جوڑ میں ہم ان شاء اللہ اس پر بات کریں گے اور ساتھ ساتھ رمضان شریف کے بارے میں کچھ ضروری مسائل بھی discuss کریں گے، اور لوگوں تک پہنچائیں گے۔ یہ سلسلہ اس دفعہ online ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا ہم جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے، کیونکہ یہ اللہ پاک کا بہت بڑا احسان ہے کہ ہمیں گھر بیٹھے بیٹھے علم حاصل ہو جاتا ہے۔ online کا یہی فائدہ ہے۔ جیسے جو لوگ امریکہ میں موجود ہیں یا جو یورپ میں ہیں یا جو پاکستان کے مختلف علاقوں میں موجود ہیں، اسی طرح جو Middle East میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیا ہم ان کو ایک جگہ جمع کر سکتے تھے؟ کبھی نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن ایک جگہ سے ساری بات ہر جگہ پہنچ رہی ہے۔ اور ایک مرکزی طریقہ چل رہا ہے کہ ایک ہی بات ہر جگہ ایک ترتیب سے چل رہی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ پہلے یہ کہاں ممکن تھا، پہلے یہ سہولت صرف radio یا televion والوں کے پاس ہوا کرتی تھی، صرف وہی ایسا کر سکتے تھے، کسی اور کے پاس صلاحیت نہیں تھی۔ اب الحمد للہ ہمارے پاس بھی یہ صلاحیت ہے کہ ہم ایک مرکزی طور پر کام کر سکتے ہیں اور جتنے لوگ اس کو استعمال کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے اور اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ اللہ پاک کی طرف سے مدد ہے۔ کیونکہ خواتین کے لئے گھر سے نکلنا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن اب گھر سے نکلے بغیر اس نظام کے ذریعے سے ان کو گھر پر ہی پر یہ ساری چیزیں مل رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے، شکر کی توفیق عطا فرما دے۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

سوال وجواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

سوال نمبر 1:

قرآن پاک میں رمضان المبارک کے بارے میں اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اس کے روزے تم پر فرض کئے ہیں تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو رمضان میں تقویٰ حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:

در اصل تقویٰ کہتے ہیں نفس کے رذائل کے دبانے کو۔ چونکہ فجور اور تقویٰ یہ دو ہی چیزیں اللہ تعالٰی نے نفس میں رکھی ہیں۔ چنانچہ اگر آپ فجور کو دبا دیں تو تقویٰ رہ جائے گا اور اگر تقویٰ نہ رہے گا تو فجور آجائے گا، گویا یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ چونکہ رذائل یعنی نفس کی خواہشات میں سے کچھ جائز ہیں اور کچھ نا جائز ہیں تو اگر آپ جائز خواہشات کو دباتے ہیں تو اس سے تمام خواہشات کو دبانے کی سمجھ بوجھ بھی حاصل ہو جاتی ہے اور توفیق بھی مل جاتی ہے اور انسان کا نفس اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ یعنی جب آپ نفس پر بوجھ ڈالتے ہیں تو بوجھ اٹھانا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے، اور روزے میں چونکہ تین چیزوں سے روکا گیا ہے کھانا، پینا اور مباشرت۔ یہ تینوں جائز چیزیں ہیں تاہم ان سے باز رہنے سے نا جائز چیزوں کو دبانے کے لئے ایک راستہ کھل جاتا ہے، تو اگر آپ اس راستے کو استعمال کر لیں تو اس سے آپ تقویٰ حاصل کر لیں گے، یعنی رمضان شریف میں آپ جھوٹ نہ بولیں، غیبت نہ کریں، بد نظری نہ کریں اور گالیاں وغیرہ نہ دیں، اب اگر ان تمام ممنوع چیزوں کو ہم اپنے حواس خمسہ کے ذریعے سے اختیاری طور پر ترک کر دیں اور ان کو ترک کرنے پر اپنے آپ کو مجبور کریں تو اس سے نفس سدھرتا جائے گا اور جتنا جتنا نفس سدھرے گا اتنا اتنا تقویٰ حاصل ہو گا۔ لہذا اسی طریقے سے رمضان شریف میں تقویٰ حاصل کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر 2:

آپ ﷺ رمضان مبارک کا انتظار فرماتے تھے۔ اس سے ہمیں باقی مہینوں کی نسبت رمضان کے بارے میں کیا خصوصی تعلیم مل رہی ہے اور رمضان کی اہمیت ہماری زندگی میں کس لحاظ سے ہے؟

جواب:

دراصل جیسے آپ ﷺ نماز کے لئے انتظار فرماتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے: "**يَا بِلَالُ، أَرِحْنَا بِالصَّلَاةِ**" (ابوداؤد، حدیث نمبر 4985) "اے بلال مجھے نماز کے ذریعے سے راحت پہنچاؤ" گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہ راست تعلق پیدا کرنے والی چیزوں کے لئے آپ ﷺ انتظار فرماتے تھے، اور روزے کے بارے میں فرمایا گیا ہے: "**اَلصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ**" (بخاری شریف، حدیث نمبر 7054) کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ یہ اللہ تعالیٰ نے روزے کی اتنی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے اور آپ ﷺ چونکہ سب سے زیادہ ان چیزوں سے واقف تھے تو آپ ﷺ کیوں نہ اس کا انتظار فرماتے۔ اور اس میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ ہم بھی رمضان شریف کی برکات حاصل کرنے کے لئے حریص ہوں۔ ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ: "**إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ، وَمَرَدَةُ الْجِنِّ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ، فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ، وَفُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ، وَيُنَادِي مُنَادٍ: يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ، وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ، وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ، وَذٰلِكَ كُلُّ لَيْلَةٍ**" (**ترمذی شریف، حدیث نمبر ۶۸۲**) "جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیطان اور سرکش جن زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، اور اس کا کوئی بھی دروازہ کھلا ہوا نہیں رہتا، جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور اس کا کوئی بھی دروازہ بند نہیں رہتا، منادی پکارتا ہے: اے بھلائی کے چاہنے والے! بھلائی کے کام پہ آگے بڑھ، اور اے برائی کے چاہنے والے! اپنی برائی سے رک جا، کچھ لوگوں کو اللہ جہنم کی آگ سے آزاد کرتا ہے، اور یہ (رمضان کی) ہر رات کو ہوتا ہے"۔ ان ساری باتوں میں اللہ جل شانہ گویا ہمیں راستہ دے رہے ہیں

کہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں، کیونکہ اللہ تعالٰی ہمارے ایک دشمن کو قید کر دیتے ہیں اور دوسرے دشمن کو زیر کرنے کے لئے وسائل بھی مہیا فرما دیتے ہیں۔ لہذا ہمیں اس موقعے سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور ہمیں رمضان شریف کی قدر کر کے اس سے تمام فوائد حاصل کرنے چاہئیں۔

سوال نمبر 3:

آج کل media کا دور ہے لہذا رمضان بھر میں بھی ہمارا موبائل وغیرہ کے ساتھ واسطہ رہتا ہے تو رمضان کے قیمتی اوقات کو بہتر بنانے کے لئے ہمیں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ ہمارے قیمتی اوقات ضائع نہ ہوں؟

جواب:

چار چیزوں کی کثرت کا فرمایا گیا ہے، ایک "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کی کثرت، دوسرا استغفار کی کثرت، تیسرا جنت کو کثرت کے ساتھ مانگنا اور چوتھا دوزخ سے کثرت سے پناہ مانگنا۔ نیز تراویح میں باقاعدگی اور توجہ کے ساتھ قرآن شریف سنا جائے اور رمضان شریف میں اپنے اوقات کی حفاظت کی جائے اور کم از کم حواس خمسہ کو کسی بھی گناہ کے کام میں ملوث نہ ہونے دیا جائے۔

سوال نمبر 4:

رمضان المبارک کا آخری عشرہ بہت زیادہ اہم ہوتا ہے جس میں اعتکاف بھی ہوتا ہے تو اعتکاف کے لئے کون سا بہترین طریقہ ہے تاکہ اس میں زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکیں؟

جواب:

در اصل مسنون اعتکاف تو یہ ہے کہ بیسویں رمضان کی مغرب سے آپ کسی بھی مسجد میں بیٹھ جائیں اور چاند رات تک اسی مسجد میں قیام کریں، اس دوران آپ مسجد ہی میں رہیں اور مسجد سے صرف انہی کاموں کے لئے نکلیں جن کے لئے اعتکاف کی حالت میں مسجد سے نکلنا جائز ہے، کسی اور کام کے لئے مسجد سے باہر نہ نکلیں، سارا وقت مسجد میں گزاریں، اسی میں سوئیں، اسی میں کھائیں، پیئیں اور اسی میں عبادت کریں۔ یہ سارے کام آپ کے وہیں ہوں تو یہ مسنون اعتکاف ہے۔ لیکن اس مسنون اعتکاف کے ساتھ اگر آپ اصلاح کی

نیت شامل کر لیں اور پھر کسی شیخ کے پاس اپنا وقت گزاریں تو زیادہ فائدہ ہو گا، چونکہ اعتکاف کی وجہ سے ماحول اچھا ہوتا ہے اور خلوت اور جلوت دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں یعنی باقی لوگوں سے آپ کو خلوت بھی حاصل ہے اور شیخ کی جلوت بھی حاصل ہے لہذا اعتکاف کا فائدہ بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس طریقے سے اس کا فائدہ بڑھایا جا سکتا ہے۔

سوال نمبر 5:

تراویح رمضان المبارک کی ایک اہم عبادت ہے لیکن آج کل اس بارے میں لوگوں میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، کوئی کہتا ہے تراویح کی رکعات 12 ہیں کوئی 8 رکعات کا قائل ہے۔ اس میں اہل حق کا کیا طریقہ ہے کہ کون سے طریقے پہ عمل کریں؟

جواب:

جب کبھی اختلاف ہو تو یہی طریقہ ہوتا ہے کہ جو اس معاملے میں سب سے بڑے ماہر ہوتے ہیں لوگ ان سے پوچھتے ہیں۔ اسی طرح فقہی امور میں سب سے ماہر کون ہے؟ ہر ایک یہی کہے گا کہ فقہی امور میں ماہر امام ہی ہوتا ہے چنانچہ تراویح کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے چاروں مشہور ائمہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک کم از کم بیس رکعات ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چھتیس ہیں۔ اور یہ چھتیس رکعات در اصل محبت کے ایک بھرپور جذبے کی بنیاد پر ہیں، وہ یہ کہ مکہ مکرمہ میں جو تابعین حضرات قیام پذیر تھے ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ترویحہ میں ایک طواف بھی کرتے تھے چونکہ ان کے پاس اس کا موقع تھا، جب یہ بات حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تک بات پہنچی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس خانہ کعبہ تو نہیں ہے کہ ہم طواف کریں لہذا اس کی جگہ ہم 4 رکعات پڑھ لیتے ہیں تو چار ترویحوں میں سولہ رکعتیں ان بیس رکعات کے ساتھ مل کر چھتیس رکعات بن جاتی ہیں، تو یہ ان کے ہاں چلی آرہی ہیں۔ پھر ایک بات تو یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب صحابہ کرام کو اس مسئلے پر جمع کیا تھا نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ خلیفہ راشد ہیں، بعد میں پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسے تبدیل نہیں کیا، علی رضی اللہ عنہ نے تبدیل نہیں کیا، حسن رضی اللہ عنہ نے تبدیل

نہیں کیا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے تبدیل نہیں کیا، عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تبدیل نہیں کیا حتیٰ کہ ابھی تک مسلسل حرمین شریفین میں بیس رکعات پڑھی جا رہی ہیں۔ اللہ پاک معاف فرمائے عجیب و غریب فتنے ہیں، آج کل ایک اور بات بھی چل پڑی ہے کہ اب لوگوں نے تراویح کو تہجد کہنا شروع کر دیا ہے۔ در اصل اس بارے میں وہ ایک حدیث شریف کا سہارا لیتے ہیں کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھیں، لہذا گیارہ میں تین رکعات وتر کی ہو گئیں اور آٹھ رکعات تراویح کی ہو گئیں۔ اس حدیث کی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان اور غیر رمضان میں اس سے زائد رکعات نہیں پڑھیں تو ہمیں بھی آٹھ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھنی چاہئیں، چنانچہ یہ ان کا مستدل ہے۔ علماء کرام نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں رمضان اور غیر رمضان دونوں کا کہا گیا ہے لہذا اس سے مراد کوئی ایسی چیز ہونی چاہیے جو رمضان میں بھی ہو اور غیر رمضان میں بھی ہو، اور وہ تہجد ہی ہو سکتی ہے، لہذا یہ بات تو تہجد کے لئے ہے، تراویح کے لئے نہیں ہو سکتی، کیونکہ تراویح غیر رمضان میں نہیں ہوتی۔ خیر کچھ عرصہ تک تو یہ لوگ کافی ڈھیٹ بنے رہے کسی بات کی پرواہ نہیں کرتے تھے، بالآخر ان کو احساس ہوا کہ اس طرح تو عوام ہمارے خلاف ہو رہی ہے، تو اب انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ تراویح اصل میں تہجد ہی ہے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ اور یہ لوگ اپنے آپ کو سعودیہ عرب کے ساتھ بہت attach کرتے ہیں کہ وہ ہمارے مسلک پر ہیں، میں کہتا ہوں کہ پھر ان کے مسلک پہ ہی ہو جائیں۔ کم از کم میں اس بات کا گواہ ہوں چونکہ میں ایک دفعہ وہاں اعتکاف میں تھا تو انہوں نے بیس رکعات تراویح پڑھی اور اس کے بعد اعلان ہو گیا کہ ان شاء اللہ رات اتنے بجے دس رکعات کا قیام اللیل ہو گا جس میں باقی قرآن پڑھا جائے گا، گویا ان کے نزدیک بھی قیام اللیل تراویح سے مختلف چیز ہے، اسی لئے انہوں نے بیس رکعات تراویح الگ پڑھی اور قیام اللیل کو علیحدہ کیا۔ یوں ان کو دونوں کے جواب مل گئے۔ لیکن چونکہ بے حد ڈھیٹ ہیں اس لئے ان سے معارضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس آپ خود سمجھ لیں کہ حق کیا ہے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

آج اتوار کا دن ہے اور جیسا کہ اعلان ہوا تھا کہ lockdown کے دوران اتوار کے دن بھی تعلیمات مجددیہ کا درس ہوا کرے گا، چنانچہ آج الحمد للہ تعلیمات مجددیہ درس نمبر 2 ہو رہا ہے جو عقائد کے بارے میں دوسرا درس ہے۔ ایک درس اس سے پہلے بھی اس موضوع پر ہو چکا ہے۔ اس وقت حضرت کے تین مکتوبات شریفہ ہمارے سامنے ہیں، جلد اول کا مکتوب نمبر 67، مکتوب نمبر 17 اور مکتوب نمبر 266۔ ان مکتوبات میں عقائد پر بات کی گئی ہے۔ چونکہ مکتوب نمبر 17 اور 67 میں عوام کے لیے نسبتاً آسان انداز میں عقائد بیان کیے گیے ہیں اس لیے ان کو علیحدہ بیان کیا جا رہا ہے، اور مکتوب نمبر 266 جو حضرت نے خصوصی طور پر اپنے شیخ کے صاحبزادگان کے لیے تحریر فرمایا تھا اور کلامی لحاظ سے بھی اہم ہے، اس کو انشاء اللہ بعد میں بیان کیا جائے گا۔

متن:

مکتوب نمبر 67 میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

یہ بھی جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یعنی صاحبِ شرع سے سننے پر موقوف ہیں۔

تشریح:

خود اپنی طرف سے ہم نہیں بنا سکتے۔

متن:

ہر وہ اسم جس کا اطلاق شرع شریف میں حضرت حق سبحانہٗ پر ہوا ہے اس کا اطلاق کرنا چاہیے۔

تشریح:

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اسماء کا تعلق اللہ تعالی کی صفات کے ساتھ ہے اور

اللہ تعالیٰ کی صفات نبی ہی بیان کر سکتے ہیں، لہذا اسماء بھی اس کے متعلق ہوں گے۔

متن:

اور جس اسم کا نہیں ہوا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے اگرچہ اس اسم میں کتنے ہی کمال درجے کے معانی پائے جاتے ہوں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ پر **"جوّاد"** کا اطلاق کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اسم آیا ہے مگر (حق تعالیٰ کو) سخی نہیں کہنا چاہیے کیونکہ (حق تعالیٰ کی یہ صفت شرع میں) نہیں آئی۔

اللہ تعالیٰ کی صفات جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے بے چون و بے چگون ہیں اس لیے جتنا نبی نے اس کے بارے میں فرمایا ہے اس پر ہی اکتفا کرنا چاہیے۔ اپنی طرف سے اس میں کمی بیشی کرنا خطرناک ہے اس ضمن میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام صاحب شرح سے سننے پر موقوف ہیں۔

قرآن مجید اور آسمانی کتابوں کے بارے میں مکتوب نمبر 67 کے عقیدہ نمبر7 میں ارشاد فرماتے ہیں:

قرآن مجید خداوند جل سلطانہٗ کا کلام ہے جس کو حرف و آواز کے لباس میں ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا گیا ہے اور اس کے ذریعے بندوں کو اَمر و نہی کا حکم کیا گیا ہے۔ جس طرح ہم اپنے کلامِ نفسی کو تالو و زبان کے ذریعے حرف و آواز کے لباس میں لا کر ظاہر کرتے ہیں اور اپنے پوشیدہ مقاصد و مطالب کا اظہار کرتے ہیں اسی طرح حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے کلامِ نفسی کو تالو و زبان کے واسطہ کے بغیر محض اپنی قدرتِ کاملہ سے حرف و آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں کے لیے بھیجا ہے۔

تشریح:

مثلاً میں کوئی بات کرنا چاہتا ہوں لہذا وہ بات میرے دماغ میں کیسے موجود ہے؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ صرف ایک بسیط شکل میں موجود ہے۔ البتہ جب وہ میری زبان پر آتی ہے تو اس کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر پیدا ہو جاتی ہے، ایک لفظ پہلے آتا ہے دوسرا اس کے بعد آتا ہے۔ مثلاً میں لفظ "سرخ" بولتا ہوں، لیکن یہ لفظ الفاظ کی صورت میں میرے دماغ میں موجود نہیں ہے لیکن جب میں اس کو بولوں گا تو "س" پہلے آئے گا، پھر "ر"

آئے گا، اور پھر "خ" آئے گا، گویا ایک ترتیب کے ساتھ یہ حروف ادا ہوں گے، اس لیے کلام اصلی کو ظاہر کلام کی طرح نہیں کہا جا سکتا۔ یہ مثال میں نے صرف سمجھانے کی لیے دی ہے، ورنہ اللہ تعالی کی ساری چیزیں مثالوں سے پاک ہیں، وہ مثالوں میں سما ہی نہیں سکتیں۔ چنانچہ اللہ کا کلام بسیط موجود تھا، موجود ہے اور موجود رہے گا لیکن وہاں سے ایک ترتیب سے ہماری طرف بھیجا گیا ہے، اور ایسی ترتیب سے آیا ہے جو ہمیں سمجھ آ سکتی ہے۔ گویا کہ یہ کلام ہمارے پاس آنے کے بعد وجود میں آیا ہے اور یہ حادث ہے، لیکن اصل کلام مخلوق نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالی کی صفت ہے۔ جب یہ بات کسی کی سمجھ میں آجائے تو پھر کوئی مشکل نہیں ہوتی۔

متن:

اسی طرح حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے کلامِ نفسی کو تالو و زبان کے واسطہ کے بغیر محض اپنی قدرتِ کاملہ سے حرف و آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں کے لیے بھیجتا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر و نواہی کو حرف و آواز کے ضمن میں لا کر ظاہر فرما دیا ہے۔ پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی نفسی اور لفظی حق جل و علا کا کلام ہیں اور ان دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق کرنا حقیقت کے طور پر ہے جس طرح کہ ہمارے کلام کی دونوں قسمیں نفسی و لفظی حقیقت کے طور پر ہمارا کلام ہیں، نہ یہ کہ قسمِ اول حقیقت ہے اور قسمِ ثانی مجاز، کیونکہ مجاز کی نفی جائز ہے اور کلامِ لفظی کی نفی کرنا اور اس کو کلامِ خدا نہ کہنا کفر ہے۔

تشریح:

یعنی ہمارے پاس جو قرآن موجود ہے اس کے بارے میں اگر میں کہوں نعوذ باللہ من ذلک کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے تو ایسا کہنا کفر ہو گا۔

متن:

اسی طرح دوسری کتابیں اور صحیفے جو پہلے انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات پر نازل ہوئی ہیں، سب حق سبحانہٗ کا کلام ہیں۔ اور جو کچھ قرآن مجید اور ان کتابوں و صحیفوں میں درج ہے وہ سب خداوند جل سلطانہٗ کے کلام ہیں جن کا ہر زمانے کے موافق بندوں کو مکلف فرمایا ہے۔

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے وہ کیسا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ جس طرح ہم اپنی زبان اور تالو کے استعمال سے اپنی سوچی ہوئی بات کو اپنے الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالی کو ان اسباب کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام نفسی کو ان کے بغیر ہماری سمجھ کے مطابق ایک خاص زبان میں معروف الفاظ کی صورت میں اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔

متن:

پس اس کی دونوں قسمیں نفسی اور لفظی اللہ تعالیٰ ہی کے کلام ہیں۔ اس میں حقیقی اور مجاز کی بنیاد پر پہلے کو اللہ تعالیٰ کا کلام کہنا اور دوسرے کو نہیں کہنا کہ مجاز کی نفی جائز ہے، کفر ہے۔

انبیاء کرام کے بارے میں مکتوب نمبر 67 کے عقیدہ نمبر 10 میں ارشاد فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات، حق جل شانہٗ کی طرف سے مخلوق کی طرف بھیجے ہوئے ہیں تا کہ وہ مخلوق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت دیں اور گمراہی سے ہٹا کر سیدھے راستے پر لائیں، اور جو شخص ان کی دعوت کو قبول کرے اس کو بہشت کی خوشخبری دیں اور جو کوئی انکار کرے اس کو دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں۔

تشریح:

یعنی بشیر و نذیر۔

متن:

اور جو کچھ انہوں نے حق جل و علا کی طرف سے پہنچایا اور بتایا ہے سب حق اور سچ ہے، اس میں خلاف ہونے کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ وسلم علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم اجمعین خاتم انبیاء ہیں اور آپ کا دین تمام سابقہ ادیان کا ناسخ ہے اور آپ کی کتاب (قرآن مجید) پہلی تمام کتابوں سے بہترین ہے، اور آپ کی شریعت کو کوئی منسوخ کرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ قیامت تک باقی رہے گی۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام (قیامت کے قریب) آسمان سے نزول فرما کر آپ ہی کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ ہی کے امتی کی حیثیت سے رہیں گے۔

اور مکتوب نمبر 67 ہی کے عقیدہ نمبر 12 میں ارشاد فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شفاعت حق ہے (یعنی اولاً پیغمبر) ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ جل سلطانہٗ کی اجازت سے گنہگار مؤمنوں کی شفاعت کریں گے پھر صالحین۔ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "شَفَاعَتِی لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِی" (میری شفاعت، میری امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہو گی)۔

تشریح:

چھوٹے مجرم چھوٹی سفارش سے بھی بچ سکتے ہیں لیکن بڑے مجرم بڑی سفارش سے ہی بچ سکتے ہیں، لہذا کبیرہ گناہوں کی شفاعت آپ ﷺ فرمائیں گے۔

متن:

جبکہ مکتوب نمبر 17 کے عقیدہ نمبر 8 میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات تمام جہان کے لیے رحمت ہیں۔ حضرتِ حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان کو مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہے اور ان بزرگوں کے ذریعے بندوں کو اپنی بارگاہ میں بلایا ہے اور دارالسلام (جنّت) کی طرف جو کہ اس کی رضا کا مقام ہے دعوت دی ہے وہ شخص بہت ہی بے نصیب ہے جو (مولائے) کریم کی دعوت کو قبول نہ کرے اور اس کی دولت کے دسترخوان سے نفع نہ اٹھائے۔ اور ان بزرگوں (انبیاء) نے حضرت سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ تبلیغ کی ہے وہ سب حق اور سچ ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ عقل بھی اگرچہ حجت (دلیل) ہے لیکن اس کی حجیت ناقص ہے۔ حجتِ بالغہ کاملہ صرف انبیا علیہم الصلوات و التسلیمات کی بعثت سے حاصل ہوئی ہے تاکہ بندوں کے لیے کوئی عذر کا موقع نہ رہے۔

انبیاءؑ میں سب سے پہلے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات و التحیات ہیں اور ان میں سب سے آخر اور خاتمِ نبوّت حضرت محمد رسول اللہ علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات ہیں، لہٰذا تمام انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات پر ایمان لانا چاہیے اور سب کو معصوم اور راست گو (سچّا) سمجھنا چاہیے۔ ان بزرگوں علیہم الصلوات و التسلیمات میں سے کسی ایک پر ایمان نہ لانا تمام (انبیاء)

پر ایمان نہ لانے کو مستلزم ہے کیونکہ ان سب کا کلمہ متفق ہے اور ان کے دین کے اصول بھی ایک ہی ہیں۔ اور حضرت عیسٰی علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام جب آسمان سے نزول فرمائیں گے تو وہ خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات کی شریعت کی متابعت کریں گے۔ حضرت خواجہ محمد پارسا جو حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالی سرہما کے کامل خلفاء میں سے ہیں اور عالم و محدث بھی ہیں اپنی کتاب "فصولِ ستہ" میں معتمد روایت سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام نزول کے بعد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر عمل کریں گے اور ان کے حلال کو حلال اور ان کے حرام کو حرام قرار دیں گے۔

تشریح:

یہ ایک عجیب نکتہ ہے۔ اسے سمجھانا ضروری ہے، عیسی علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو نبی کے طور پہ نہیں آئیں گے، یہ confirm بات ہے، وہ ایک امتی کے طور پہ آئیں گے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ عمل کیسے کریں گے؟ کیونکہ عمل کے لیے قرآن اور سنت بنیاد ہے لیکن عملی لحاظ سے ہمارے پاس فقہ موجود ہے جب کہ فقہ عوام کے لیے ہے اور اس کے درجات بھی ہیں جیسے فرائض، واجب، سنن اور مستحبات وغیرہ، یہ ساری چیزیں اس میں طے شدہ ہیں۔ عیسی علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو امت کا ایک زمانہ گزر چکا ہو گا، اس وقت قدرتاً تمام چیزوں کی تدوین ہو چکی ہو گی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کی تدوین بھی ہو چکی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کی بھی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کی بھی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کی بھی۔ لہذا عیسی علیہ السلام کوئی نئ چیز تو نہیں لائیں گے، بلکہ جن پرانی چیزوں کی تدوین ہو چکی ہے انہی میں سے کسی پر عمل کریں گے۔ اگرچہ تمام فقہی مذاہب ٹھیک ہیں کوئی غلط نہیں ہے، لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ واقعتاً بہت ہی جامع ہے۔ اسی لیے ان کو امام اعظم کہتے ہیں۔ اس وقت بھی امت کی کثرت کے مقتدا وہی ہیں یعنی ساٹھ فیصد سے زیادہ مسلمان ان کے پیروکار ہیں۔ بنگلہ دیش، انڈیا، پاکستان، افغانستان، سینٹرل ایشیا، ترکی، ایسٹرن یورپ کے مسلمان اور تقریبا آدھا مصر، یہ سب فقہ حنفی پر عمل کرتے ہیں اور ان علاقوں میں آبادی کی کثرت ہے۔ بیس کروڑ کے

لگ بھگ پاکستان میں ہیں اور انڈیا میں اس سے بھی زیادہ ہیں اسی طرح بنگلہ دیش، نصف افغانستان، عراق اور ترکی بھی کثرت آبادی والے ممالک ہیں اور ان میں اکثریت فقہ حنفی کی پیروکار ہے۔ یہ سب ملا کر اگر دیکھا جائے تو کافی بڑی تعداد بن جاتی ہے۔ تقریبا 60 فیصد سے زیادہ بن جاتے ہیں۔ اس کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکاروں کی تعداد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انڈونیشیا اور ملائشیا شافعی مسلک پر ہیں اور یہ بھی کثرتِ آبادی والے ممالک ہیں اور انڈونیشیا آبادی کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ لیکن چونکہ یہ ایک ہی ملک ہے اور دوسری طرف پاکستان اور بنگلہ دیش کی آبادی کو ملا جائے تو انڈونیشیا سے تعداد بڑھ جاتی ہے، اس لیے پھر بھی تعداد احناف سے کم ہے، تو یوں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار 20 فیصد کے لگ بھگ ہیں۔ اس کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو کار ہیں۔ زیادہ تر افریقی ممالک مالکی ہیں سوائے مصر کے، کیونکہ مصر میں نصف نصف ہے۔

سومالیہ، سوڈان، الجیریا، الجزائر یہ سب مالکی المسلک ہیں، اس طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ماننے والے 10، 12 پرسنٹ کے لگ بھگ ہیں۔ آخر میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ سعودی عرب میں تین چار فیصد حنبلی مسلک پر ہیں، اسی طرح چار پانچ فیصد غیر مقلد ہیں۔ اس سے اندازہ کریں کہ کتنی بڑی آبادی فقہ حنفی کے پیرو کاروں کی ہے۔

جب میں جرمنی میں تھا تو عید کے معاملے میں اختلاف ہوا تو میں پاکستان کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہاں کے عرب حضرات جو ہمارے دوست تھے اور ساری چیزیں بھی ہماری مشترکہ ہوتی تھیں لیکن میرا روزہ تھا اور ان کی عید تھی۔ وہ سب میرے گھر جرگہ کے طور پر آگے کہ آپ ہر چیز میں ہمارے ساتھ ہیں سوائے اس مسئلہ کے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا میں اس مسئلہ میں ایک اصول کے ساتھ ہوں، اور مجھے معلوم ہے کہ تمہارے مقابلے میں پاکستان کا موقف صحیح ہے لہذا میں اس کے مطابق عمل کروں گا، میں پاکستان کے نام کے ساتھ نہیں ہوں بلکہ میں اصول کے ساتھ ہوں۔ ان میں سے کچھ حضرات واقعی اہلِ علم تھے، علمی طور پر کافی باتیں ان کو معلوم ہوں گی۔ وہ مجھے کہنے لگے کہ

آپ کو سواد اعظم (جس پر زیادہ لوگ متفق ہوں) کا ساتھ دینا چاہیے۔ میں نے کہا اسی طرح فیصلہ کر لیتے ہیں۔ کہنے لگے کیسے؟ میں نے کہا: سارے Middle East کا صرف پاکستان کے ساتھ تقابل کر کے دیکھو کہ کن لوگوں کی تعداد زیادہ ہے؟ کہنے لگے شیخ! آپ سے جیتنا بڑا مشکل ہے۔ بہر حال اس کے بعد پھر انہوں نے کچھ نہیں کہا اور میں نے ان کی تواضع وغیرہ کی۔ اب اگر عیسیٰ علیہ السلام اکثریت پر بھی فیصلہ فرمائیں تو فقہ حنفی کے حق میں ہی فیصلہ ہو گا کیونکہ ان فقہی مسالک میں سے کسی ایک کو ترجیح دیں گے تو بھی کسی دلیل سے ہی ایسا کریں گے۔ بہر حال یہ چونکہ ظنی بات ہے اس لیے ہم اس پر زور نہیں دیتے کیونکہ یہ کشفی بات ہے اور کشف ظنی ہوتا ہے۔

متن:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تمام انبیاء کرام کے بارے میں فرمایا کہ وہ معصوم ہیں اور ان میں سے کسی پر ایمان نہ لانا سب میں سے کسی ایک کا انکار ہے کیونکہ سب کی دعوت ایک ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرما کر ارشاد فرماتے ہیں کہ عیسیٰ جو آخر میں تشریف لائیں تو نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک امتی کی حیثیت سے اور چونکہ امت میں دین کی تدوین ہو چکی ہے اور فقہ مرتب ہو چکی ہیں اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ اسلام ان میں سے کسی ایک کے مطابق عمل فرمائیں گے اور حضرت پارساؒ کے حوالے سے ارشاد فرمایا کہ حضرت علیہ اسلام فقہ حنفی پر عمل کریں گے۔

فرشتوں کے بارے میں مکتوب نمبر 67 کے عقیدہ نمبر 15 میں ارشاد فرماتے ہیں: اور فرشتے خداوند جل و علا کے مکرم بندے ہیں، حق تعالیٰ جل شانہٗ کے امر کی نافرمانی کرنا ان کے حق میں جائز نہیں، جس کام کا ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجا لاتے ہیں، عورت مرد ہونے سے پاک ہیں، توالد و تناسل ان کے حق میں مفقود ہے۔

تشریح:

یعنی ان کو اللہ جل شانہ نے اپنے امر سے پیدا کیا ہے اور سب کو ایک جیسا پیدا کیا ہے، لہٰذا ان کی نسل توالد و تناسل کے ذریعے سے نہیں بڑھ رہی بلکہ

اللہ تعالیٰ جتنے فرشتوں کو پیدا فرمانا چاہے فرما دیتا ہے۔ اسی لیے ان میں مرد اور عورت کا تصور بھی نہیں، کھانے پینے سے بھی پاک ہیں۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب فرشتے آئے، ابراھیم علیہ السلام نے ان کے لیے بھیڑ ذبح کی مگر انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھایا چنانچہ ابراہیم علیہ السلام ڈر گیے کہ شاید یہ میرے دشمن ہیں، کیونکہ اس وقت دشمن بھی نمک حرام نہیں ہوتے تھے، اگر کسی کا نمک کھا لیتے تو اس کے ساتھ دشمنی نہیں کرتے تھے۔ اس لیے ابراھیم علیہ السلام ڈر گیے، تو فرشتوں نے کہا کہ ہم رسول یعنی فرشتے ہیں اور فلاں جگہ پر عذاب کے لیے آئے ہیں۔ ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا کہ وہاں تو لوط علیہ السلام بھی ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہمیں معلوم ہے لیکن یہ امر طے ہو چکا ہے۔ کیونکہ فرشتے حکم کے مطابق ہی عمل کرتے ہیں۔

مجھ سے ایک صاحب نے بذریعہ میسج پوچھا کہ میں نے آپ کے بیان میں سنا ہے کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور فرشتوں سے بھی گناہ نہیں ہوتا تو کیا انبیاء فرشتے ہوتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں انبیاء فرشتے نہیں ہوتے۔ فرشتے اللہ پاک کے ایسے بندے ہیں جن کے ساتھ نفس ہے ہی نہیں اور وہ وہی کرتے ہیں جو اللہ پاک چاہتے ہیں، ان کی اپنی کوئی خواہش نہیں ہوتی، جبکہ پیغمبر انسان ہوتے ہیں، ان میں ساری چیزیں انسانوں والی ہوتی ہیں، ان کے جذبات و خواہشات سب چیزیں انسانوں کی طرح ہوتی ہیں، البتہ ان کو اپنے نفس پر قابو ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے امر کی خلاف ورزی نہیں کرتے، اللہ پاک کی طرف سے چنے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے معصوم ہونے کا یہ معنیٰ ہے۔ اس نے کہا مجھے آپ کی بات سمجھ نہیں آئی، میں نے کہا یہ ایک عقیدہ ہے، اسے عقیدے کے طور پر مانو کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں کیونکہ اگر آپ یہ نہیں مانتے تو آپ کا عقیدہ خراب ہو گا اور میں صرف آپ کا عقیدہ بچانا چاہتا ہوں، باقی آپ کی اپنی مرضی ہے میں کچھ نہیں کہہ سکتا البتہ صحیح عقیدہ یہی ہے۔ کیونکہ آج کل آ بیل مجھے مار والی صورت حال ہے لہذا خواہ مخواہ ایسی باتوں میں دخل دینا جس میں انسان کو خطرہ ہو بے وقوفی ہے۔

متن:

بعض فرشتوں کو حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے رسالت کے لیے برگزیدہ کیا ہے اور ان کو وحی پہنچانے کے کام سے مشرف کیا ہے، انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی کتابوں اور صحیفوں کو (حق تعالیٰ کی طرف سے) لانے والے بھی یہی ملائکہ ہیں جو خطا و خلل سے محفوظ اور دشمن کے مکر و فریب سے معصوم ہیں، جو کچھ انہوں نے حضرت حق سبحانہٗ کی طرف سے پہنچایا ہے سب صدق و صواب ہے، اس میں کسی قسم کا شائبۂ احتمال و اشتباہ نہیں۔ اور یہ ملائکہ حق سبحانہٗ کی عظمت و جلال سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کے اوامر کی تعمیل کے سوا ان کو کچھ کام نہیں ہے۔

تشریح:

ایک صاحب کو ایک دفعہ کوئی بہت ہی مشکل کام آن پڑا، ان کو منکشف ہوا کہ فرشتے آ گیے ہیں اور کھڑے ہیں۔ انہوں نے فرشتوں سے کہا کہ آپ موجود ہیں تو میری مدد کر دیں۔ انہوں نے کہا ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کر سکتے، آپ اللہ پاک سے مانگیں اگر اللہ ہمیں حکم دے تو ابھی کر دیتے ہیں۔ پھر فرشتوں نے ان کو شاید کچھ کلمات سکھائے کہ اس کے ذریعے دعا مانگیں۔ جیسے ہی انہوں نے اللہ تعالی سے ان کلمات کے ذریعے دعا مانگی تو اللہ پاک کا حکم ہو گیا، اور فوراً فرشتوں نے action لیا اور کام ہو گیا۔ گویا کہ ان کو ایک نظارہ کروایا گیا کہ فرشتے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتے ﴿یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾ (النحل: 50) فرشتے جو کچھ کرتے ہیں اللہ کی مرضی سے کرتے ہیں۔

متن:

فرشتے وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ عورت مرد، توالد تناسل کھانے پینے سے پاک مخلوق ہے۔ ان میں بعض کو پیغام پہنچانے کے لیے بھی مقرر فرمایا ہے جس میں ان سے بھول چوک ممکن نہیں۔

متن:

عقیدہ نمبر 9 میں فرماتے ہیں: ملائکہ علی نبینا و علیہم و علی آلہ الصلاۃ والتسلیمات

حق سبحانہ و تعالیٰ کے معزز بندے ہیں اور حق تعالیٰ کی جانب سے رسالت و تبلیغ کی دولت سے مشرف ہیں اور جس چیز کے لیے مامور ہیں اس کی تعمیل کرتے ہیں اور اللہ جل شانہ کی سرکشی اور نافرمانی ان میں مفقود ہے وہ خوراک اور پوشاک سے پاک ہیں ازدواجی تعلقات سے معرا ہیں اور توالد و تناسل سے مبرا ہیں حق جل سلطانہ کی کتابیں اور صحیفے انہی کے ذریعے نازل ہوئے ہیں انہی کی امانت پر محفوظ اور مامون ہیں

اور مکتوب نمبر 17 کے عقیدہ نمبر 9 میں مندرجہ بالا باتوں میں یہ مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ان سب پر ایمان لانا بھی دین کی ضروریات میں سے ہے اور ان کو سچا جاننا بھی واجباتِ اسلام میں سے ہے۔

جمہور اہلِ حق کے نزدیک خواص بشر خواصِ ملک سے افضل ہیں کیونکہ ان (خواصِ بشر) کا حق تعالیٰ سے واصل ہونا موانعات اور تعلقات کے باوجود ہے اور ملائکہ کا قرب بغیر کسی مزاحمت اور ممانعت کے ہے۔ تسبیح و تقدس اگرچہ فرشتوں کا کام ہے لیکن جہاد اس دولت کے ساتھ جمع کرنا کامل انسان کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَّكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ (النساء: 95) (اللہ تعالیٰ نے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے اور ہر ایک سے بہترین جزاء کا وعدہ فرمایا ہے)۔

ایمان کی تعریف: (یہ بہت اہم بحث ہے۔)

مکتوب نمبر 67 کے عقیدہ نمبر 16 میں یوں فرماتے ہیں کہ:

ایمان نام ہے تصدیقِ قلبی اور اقرارِ لسانی کا، اور جو کچھ دین سے متعلق تواتر اور یقین کے ساتھ اجمالاً و تفصیلاً ہم تک پہنچا ہے (اس کو صحیح مانا جائے) لیکن اعضاء کے اعمال نفسِ ایمان سے خارج ہیں، البتہ ایمان میں کمال کو بڑھانے والے اور حسن پیدا کرنے والے ہیں۔

تشریح:

یعنی اعمال ایمان کا حصہ نہیں ہیں۔ ﴿إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾

(العصر:۳) اس آیت میں ایمان اور اعمال کے درمیان میں واؤ عاطفہ مذکور ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ جدا جدا چیزیں ہیں، البتہ اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ایمان میں قوت آتی ہے اور اعمالِ قبیحہ کی وجہ سے کمزوری آتی ہے۔

متن:

امام اعظم کوفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایمان، زیادتی و نقصان (یعنی کمی بیشی) کو قبول نہیں کرتا کیونکہ تصدیقِ قلبی، نفسِ ایمان اور اذعانِ قلب (قلبی یقین) سے عبارت ہے جس میں کمی و زیادتی کے فرق کی گنجائش نہیں، اور جو فرق کو قبول کرے وہ ظن و وہم کے دائرہ میں داخل ہے۔

ایمان "اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ" کا نام ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ جو کچھ دین سے متعلق تواتر اور یقین کے ساتھ اجمالاً و تفصیلاً ہم تک پہنچا ہے اس کو صحیح مانا جائے۔ اعمال کی وجہ سے ایمان زائل تو نہیں ہوتا ہے لیکن اچھے اعمال سے اس میں قوت آجاتی ہے اور برے اعمال سے کمزوری جیسا کہ جو مر رہا ہو وہ بھی اس وقت زندہ ہی کہلاتا ہے لیکن کچھ کرنے کے قابل نہیں ہوتا اور جو مکمل صحت مند ہوتا ہے وہ بھی زندہ ہوتا ہے لیکن وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ زندہ ہونے میں تو ایک جیسے لیکن قوت میں مختلف۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لیے فرمایا کہ نفس ایمان میں زیادتی اور نقصان نہیں ہوتا ہے وہ یا ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ اور ایمان میں کمی بیشی کا اقرار شک کی طرف لے جاتا ہے جو ایمان میں نہیں کرنا چاہیے۔

ایمان میں کمال اور نقص، طاعات و حسنات کے اعتبار سے ہے۔ جس قدر طاعت زیادہ ہو گی اتنا ہی ایمان میں کمال بھی زیادہ ہو گا۔ لہٰذا عام مؤمنوں کا ایمان انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مثل نہیں ہوتا کیونکہ ان کا ایمان طاعات کی قربتوں کی وجہ سے کمال کے اس عالی مقام پر پہنچ چکا ہوتا ہے کہ عام مؤمنوں کا ایمان ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ یہ دونوں نفسِ ایمان میں شرکت رکھتے ہیں لیکن ان (انبیاء) کے ایمان نے طاعات کی بجا آوری کی وجہ سے ایک اور حقیقت پیدا کرلی ہے، گویا کہ دوسروں کا ایمان اس ایمان کا فرد نہیں ہے

اور ان کے درمیان مماثلت و مشارکت مفقود ہے۔

ایمان کے کمال کی پہچان یہ ہے کہ صاحب ایمان اعمال اور طاعات میں کیسے ہیں؟ لہٰذا عام مؤمن اور انبیاء میں اس لحاظ سے تقابل ممکن ہی نہیں کہ ان کے اعمال و طاعات بالکل وہی ہوتے ہیں جو مطلوب ہیں جبکہ باقیوں کے لیے وہ نمونہ ہیں اس طرح ان کی حقیقت میں ہی فرق پیدا ہو گیا کہ وہ معیار ہیں اور باقی اس معیار کا اتباع کرنے والے۔

اگرچہ عام انسان نفسِ انسانیت میں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ شریک ہیں لیکن دوسرے کمالات کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بہت بلند درجات پر پہنچے ہیں اور ایک اور ہی حقیقت حاصل کرلی ہے۔ گویا کہ حقیقتِ مشترکِ (انسانی) میں وہ عالی مرتبہ ہیں بلکہ انسان وہی ہیں اور عوام لوگ نسناس (یعنی بن مانس) کا حکم رکھتے ہیں۔

تشریح:

یعنی ایمان ایک حقیقت ہے جو دو چیزوں پر مبنی ہے۔ تصدیق قلبی اور اقرار لسانی، ایمان کا تعلق محض ان دو چیزوں کے ساتھ ہے۔ جب ہم ایمانِ مفصل "**اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ**" اس میں کہا گیا ہے "ایمان لایا" ایمان لانے کا مطلب ہے میں نے مان لیا، یعنی جیسے ہے اسی طرح دل سے اس کی تصدیق کی اور زبان سے اس کا اقرار کر لیا، یہاں تک ایمان ہے۔ اس کے بعد طاعات کے ذریعے ایمان کو مزید طاقت حاصل ہوتی ہے۔ جو اطاعت گزار ہو گا اس کا ایمان پختہ ہو گا اور جو اطاعت گزار نہیں ہو گا اس کا ایمان کمزور ہو گا۔

متن:

امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "**أَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا**" (تحقیق میں مؤمن ہوں)۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "**أَنَا مُؤْمِنٌ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى**" (ان شاء اللہ تعالیٰ میں مؤمن ہوں)۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے توجیہ ہو سکتی ہے یعنی فی الحال حالتِ ایمان کے اعتبار سے تو کہا جا سکتا ہے "**أَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا**"

تشریح:

کیونکہ اپنے ایمان پر کوئی شک تو نہیں کر سکتا کہ میں مومن ہوں یا نہیں، شک ایمان کے خلاف ہے لہٰذا موجودہ حالت پر "أَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا" ہے اور مستقبل کا پتہ نہیں ہے کہ ایمان باقی رہا ہے یا نہیں تو "اِنْ شَآءَاللّٰهُ"

متن:

اور خاتمہ انجام کے اعتبار سے کہا جا سکتا ہے: "أَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَآءَاللّٰهُ تَعَالٰى" لیکن یہ قول جس وجہ سے بھی کہا جائے بہر صورت ان شاء اللہ کہنے سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔

تشریح:

کیونکہ شک کا عنصر پایا جائے گا۔ یہ کیوں فرمایا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول کے لیے جو بنیاد بنائی، وہ ایسا کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ مجتہد ہیں، مجتہد اگر غلطی پر بھی ہو تو اس کو ایک اجر ملتا ہے لیکن ہم لوگ اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی توجیہ کریں، ان کے خلاف بات نہ کریں اور اپنے لیے وہ طریقہ اختیار کریں جو محفوظ ہو جو یہ ہے کہ ان شاء اللہ نہ کہیں بلکہ "أَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا" کہیں کہ اللہ کا شکر ہے میں مومن ہوں، اللہ کی صفات کو مانتا ہوں، فرشتوں کو مانتا ہوں، انبیاء کو مانتا ہوں، کتابوں کو مانتا ہوں، تقدیر کو مانتا ہوں، ہر خیر و شر اللہ پاک سے ہونے کو مانتا ہوں اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو مانتا ہوں اور آخرت پر یقین رکھتا ہوں۔

ایک دفعہ جرمنی میں میری قادیانیوں کے متعلق ایسے لوگوں کے ساتھ بہت سخت بحث ہوئی جو بیچارے قادیانیوں کو زیادہ جانتے نہیں تھے، ایک پاکستانی شخص مجھے کہنے لگا کہ تھوڑی دیر کے لیے آپ اسلام کو ایک طرف رکھ دیں۔ میں نے کہا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں تھوڑی دیر کے لیے بلکہ ایک لمحہ کے لیے بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ microsecond کے لیے بھی اسلام کو اپنے سے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ It is impossible۔ مثال کے طور پر آپ بیسویں منزل سے

لٹکے ہوئے ہیں تو آپ ایک سیکنڈ کے لیے بھی وہاں سے ہاتھ نہیں ہٹا سکتے کیونکہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی ہاتھ اٹھائیں گے تو موت کے منہ میں گیے۔ اس کے بعد وہ ایک سیکنڈ دوبارہ نہیں ملے گا۔ اس لیے ہم محفوظ طریقے سے رہیں گے اور محفوظ طریقہ یہی ہے کہ ہم ذرہ بھر بھی شک کے عنصر کو نہ لائیں۔

متن:

جس طرح مرض الموت میں مبتلا زندہ اور صحت مند زندہ، زندہ ہونے میں یکساں ہیں لیکن دونوں میں کتنا فرق ہے اس طرح انسانیت میں انبیاء اور عام انسان مشترک ہیں لیکن کمالات میں ان کا آپس میں بہت زیادہ فرق ہے بلکہ ان کا یہ کمال انسان ہونے کے باوجود اس مقام پر ہونا ہے جس کو کفار نہ سمجھ سکے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ شک سے بچنے کے لیے کہتے تھے کہ میں مؤمن برحق ہوں جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ میں ان شاء اللہ مؤمن ہوں۔ حضرت فرماتے ہیں گو اس کو انجام پر محمول سمجھ کر دوسرے قول کی گنجائش ہے لیکن ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ کہنے سے احتراز کرنا چاہیے کیونکہ اس سے شک کا وہم ہوتا ہے۔

مکتوب نمبر 67 کے عقیدہ نمبر 17 میں یوں فرماتے ہیں کہ:

مؤمن گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے اگرچہ وہ گناہِ کبیرہ ہی کیوں نہ ہوں ایمان سے خارج نہیں ہو۔

تشریح:

اس بارے میں بھی اختلاف ہے۔

متن:

منقول ہے کہ ایک روز امام اعظم **علیہ الرحمہ** علمائے کبار کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ایک شخص نے آکر پوچھا کہ "اس مؤمن فاسق کے لیے کیا حکم ہے جو اپنے باپ کو ناحق مار ڈالے اور اس کے سر کو تن سے جدا کر کے اس کے کاسۂ سر میں شراب ڈال کر پیے اور شراب پی کر اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے، آیا وہ مؤمن ہے یا کافر؟"۔

تشریح:

گناہ تو ایسا ہے کہ انسان کانپ جاتا ہے۔

متن:

علماء میں سے ہر ایک نے اس کے حق میں غلط فیصلہ کیا اور اصل معاملہ سے دور چلے گیے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی اثنا میں فرمایا کہ "وہ مؤمن ہے اور ان کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے وہ ایمان سے خارج نہیں ہوا" امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات علماء کو بہت گراں گزری اور انہوں نے (امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں) طعن و تشنیع کی زبان دراز کی۔ آخر چونکہ امام صاحب کی بات برحق تھی سب نے (بحث و مباحثہ کے بعد) اس کو قبول کر لیا اور اس کے درست ہونے کا اعتراف کیا۔

تشریح:

حجاج بن یوسف نے کتنی زیادتیاں کیں؟ لیکن صحابہ نے اس کے پیچھے بھی نماز پڑھی تھی۔ کسی عام آدمی کو قتل کتنا بڑا جرم ہے، اس نے عام لوگوں کو نہیں بلکہ بڑے بڑے علماء کو قتل کیا۔ یہ کتنا بڑا جرم تھا، اس کے باوجود صحابہ نے اس کے پیچھے نماز پڑھی تھی۔ کیا یہ دلیل کافی نہیں ہے؟

متن:

مکتوب نمبر 17 کے عقیدہ نمبر12 میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

ایمان سے مراد تصدیقِ قلبی ہے ان اُمور کے ساتھ جو دین میں ضرورت کے تحت تواتر کے ساتھ پایہ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں۔ اور اقرارِ لسانی (زبان سے اقرار کرنا) بھی ان اُمور کے ساتھ ضروری ہے جیسا کہ صانعِ حقیقی کے وجود پر حق تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا ہے۔ اور اسی طرح آسمانی کتابوں اور نازل شدہ صحیفوں کو حق جاننا ہے۔ اور انبیاء کرام اور ملائکہ عظام **عَلَيۡهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسۡلِيمَاتُ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيَامَةِ**۔ پر ایمان لانا ہے۔ اور آخرت پر ایمان لانا جس میں جسموں کے ساتھ اُٹھنا، عذابِ دوزخ اور ثوابِ بہشت کا دائمی ہونا۔ آسمانوں کا پھٹنا اور ستاروں کا جھڑنا اور زمین و پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا ہے۔

توبہ قبول ہونے کی حد کے بارے میں مکتوب نمبر 67 کے عقیدہ نمبر 18 میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اگر کسی گنہگار مؤمن کو موت کے غرغرہ (حالتِ نزع) سے پہلے پہلے توبہ حاصل ہو جائے تو بھی اس کی نجات کی بہت بڑی امید ہے کیونکہ (اس وقت تک) توبہ کے قبول ہونے کا وعدہ ہے اور اگر وہ توبہ و انابت سے مشرف نہ ہوئی تو پھر اس کا معاملہ خدائے جل سلطانہٗ کے سپرد ہے اگر چاہے تو اس کو معاف کر دے اور بہشت میں بھیج دے اور اگر چاہے تو بقدرِ گناہ عذاب دے اور آگ سے یا بغیر آگ سزا دے، لیکن آخرکار وہ نجات پائے گا اور انجام کار اس کے لیے بہشت ہے۔ کیونکہ آخرت میں رحمتِ خداوندی جل سلطانہٗ سے محروم ہونا کافروں کے لیے مخصوص ہے، اور جو کوئی ذرہ برابر بھی ایمان رکھتا ہے وہ رحمتِ الٰہی کا امیدوار ہے، اگر وہ گناہ کے باعث ابتداء میں رحمتِ خداوندی سے محروم رہا تو آخر میں اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے رحمت میسر ہو جائے گی۔

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (سورۃ آل عمران ۳ آیت ۸) "اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ہدایت فرمانے کے بعد کجی سے بچا اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بیشک تو بہت عطا فرمانے والا ہے"۔

ایمان کی مزید تفصیل مکتوب نمبر 17 کے عقیدہ نمبر 13 میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

اور اسی طرح ایمان لانا پانچوں وقت کی نماز پر اور ان میں رکعتوں کے تعین پر، مال کی زکوٰۃ پر، رمضان کے روزوں پر، حج بیت الحرام کے لیے استطاعتِ راہ کی توفیق پر۔ اور اسی طرح ایمان لانا کہ شراب پینا، ناحق کسی نفس کو قتل کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، چوری، زنا، یتیم کا مال کھانا اور سود کھانا سب حرام ہیں۔ اور ان جیسی چیزوں کی حرمت پر ایمان لانا جو تواتر سے (حرام) ثابت ہو چکی ہیں ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ اور مؤمن کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور کفر میں بھی داخل نہیں ہوتا۔ کبیرہ گناہ کو حلال جاننا کفر ہے اور گناہِ کبیرہ کا ارتکاب فسق ہے۔

اور اپنے آپ کو مومن برحق جاننا چاہیے یعنی اپنے ایمان کے ثبوت اور حق ہونے کا اعتراف کرنا چاہیے اور کلمہ استثناء یعنی ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں ملانا چاہیے کیونکہ اس میں شک کا وہم ہوتا ہے جو ایمان کے ثبوت کی صورت میں مخالفت رکھتا ہے اگر استثنا کا استعمال خاتمہ کے ساتھ راجع کرے جو مبہم ہے تو بھی ثبوت حال کے اشتباہ سے خالی نہیں ہے لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ شک و شبہ کی صورت کو ترک کر دے۔

مکتوب نمبر 67 کے عقیدہ نمبر 11 میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اور آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے جو کچھ آخرت کے احوال کی نسبت خبر دی ہے سب حق اور سچ ہے۔ یعنی: قبر کا عذاب اور اس کی تنگی، منکر نکیر کا سوال، دنیا کا فنا ہونا، آسمانوں کا پھٹ جانا، ستاروں کا پراگندہ ہو جانا، زمین اور پہاڑوں کا اٹھا لیا جانا اور ان کا ریزہ ریزہ ہو جانا، مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنا، روح کا جسم میں واپس ڈالنا، قیامت کا زلزلہ، قیامت کی ہولناکیاں، اعمال کا محاسبہ، اعمال کے متعلق اعضا کی گواہی، نیکیوں اور برائیوں کے اعمال ناموں کا دائیں اور بائیں ہاتھ میں اڑ کر آنا، میزان کا رکھا جانا تاکہ اس کے ذریعے نیکی اور بدی کی کمی و زیادتی معلوم کی جا سکے، اگر نیکیوں کا پلہ بھاری ہوا تو نجات کی علامت ہے اور اگر ہلکا ہوا تو یہ خسارے کا نشان ہے۔ اس میزان کا ہلکا اور بھاری ہونا دنیاوی میزان کے ہلکا اور بھاری ہونے کے بر خلاف ہے وہاں جو پلہ اوپر کو جائے گا وہ بھاری ہو گا اور جو پلہ نیچے ہو گا وہ خفیف اور ہلکا ہو گا۔

(عقیدہ نمبر 12) انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی شفاعت حق ہے (یعنی اولاً پیغمبر) **مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ جَلَّ سُلْطَانُهُ** کی اجازت سے گنہگار مومنوں کی شفاعت کریں گے پھر صالحین۔ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا "**شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ**" "میری شفاعت میری امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہو گی"۔

عقیدہ نمبر 13 میں کہ پل صراط کو دوزخ کی پشت پر رکھا جائے گا اور مؤمن اس پل کو عبور کر کے بہشت میں چلے جائیں گے لیکن کافروں کے پاؤں لڑکھڑا جائیں گے جس سے وہ دوزخ میں گر جائیں گے۔ یہ بات حق اور ثابت ہے۔

اور عقیدہ نمبر 14 میں حضرت فرماتے ہیں کہ اور بہشت جو مؤمنین کو نعمتیں مہیا کرنے کے لیے تیار کی گئی ہے اور دوزخ جو کافروں کو عذاب دینے کے لیے بنائی گئی ہے، دونوں مخلوق ہیں، ہمیشہ باقی رہیں گے اور کبھی فانی نہ ہوں گے اور حساب و کتاب کے بعد جب مؤمن بہشت میں چلے جائیں گے تو وہ ہمیشہ بہشت ہی میں رہیں گے اور بہشت سے باہر نہیں آئیں گے۔ اور اسی طرح کفار جب دوزخ میں جائیں گے تو ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے اور وہاں دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے اور ان کے عذاب میں کبھی تخفیف نہ ہو گی۔ (جیسا کہ) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ (البقرۃ:۱۶۲) "نہ تو ان (کفار) کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی ان کو مہلت دی جائے گی"۔ اور جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا وہ اگرچہ اپنے گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے دوزخ میں جائے گا لیکن اس کو بقدرِ عصیان عذاب دے کر آخرِ کار دوزخ سے نکال لیا جائے گا، نیز اس کے چہرہ کو سیاہ بھی نہیں کیا جائے گا جبکہ کفار کا چہرہ سیاہ کر دیا جائے گا۔ اور حرمتِ ایمان کی وجہ سے گنہگار مؤمن کی گردن میں طوق و زنجیر ہی ڈالی جائے گی، جیسا کہ کفار کے لیے ہو گا۔

علامات قیامت کے بارے میں

مکتوب نمبر 67 کے عقیدہ نمبر 19 میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اور علاماتِ قیامت میں سے جن کی خبر مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے دی ہے سب حق ہیں، ان میں کسی قسم کے اختلاف کا کوئی احتمال نہیں۔ مثلاً خلافِ عادت مغرب کی جانب سے آفتاب کا طلوع ہونا، ظہورِ حضرت مہدی علیہ الرضوان، نزولِ حضرت روح اللہ (عیسیٰ) علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام، خروجِ دجال، ظہور یاجوج ماجوج، خروجِ دابۃ الارض، اور ایک دھواں جو آسمان سے اٹھ کر تمام انسانوں کو گھیر لے گا اور لوگوں کو دردناک عذاب سے مبتلا کر دے گا اس وقت لوگ مضطرب ہو کر (حق تعالیٰ سے) عرض کریں گے کہ "اے ہمارے رب! اس عذاب کو ہم سے دور فرما دے کہ ہم ایمان لاتے ہیں"۔ اور آخری علامت آگ ہے جو عدن سے اٹھے گی۔

ایک گروہ (مہدویہ) اپنی نادانی کی وجہ سے ایک شخص کے متعلق گمان

کرے گا جس نے اہلِ ہند میں سے ہوتے ہوئے "مہدیٔ موعود" ہونے کا دعویٰ کیا تھا کہ وہ مہدی ہوا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے زعم میں کہیں گے کہ وہ مہدی تو گزر چکا ہے اور فوت ہو چکا اور اس کی قبر کا نشان بتائیں گے کہ وہ فرہ میں ہے۔ (لیکن) وہ صحیح احادیث جو بحدّ شہرت بلکہ معنی کے لحاظ سے حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں وہ اس گروہ (مہدویہ) کی تکذیب کرتی ہیں، کیونکہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے جو علامتیں "مہدی" کی بیان فرمائی ہیں وہ علامات ان لوگوں کے معتقد شخص کے حق میں مفقود ہیں۔

تشریح:

یعنی امام مہدی علیہ السلام کا آنا لازم ٹھہر گیا ہے اور وہ ضرور تشریف لائیں گے۔ ان کی علامتیں بھی بتائی گئی ہیں لہٰذا ان علامات کے مطابق ان کو پہچان لیا جائے گا۔

متن:

احادیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ "مہدی موعود" جب ظاہر ہوں گے تو ان کے سر پر بادل کا ایک ٹکڑا ہو گا اور اس ابر میں ایک فرشتہ ہو گا جو پکار کر کہے گا کہ یہ شخص مہدی ہے اس کی متابعت کرو۔ اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ چار آدمی پوری روئے زمین کے مالک (بادشاہ) ہوئے ہیں ان میں دو مومن اور دو کافر ہیں: ذوالقرنین اور سلیمانؑ مؤمنوں میں سے تھے اور نمرود اور بختِ نصر کافروں میں سے، اور اس زمین کا پانچواں مالک میرے اہلِ بیت میں سے ہو گا یعنی مہدی۔ اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہو گی جب تک کہ خدائے تعالیٰ میرے اہلِ بیت میں سے ایک شخص کو پیدا نہ فرمائے کہ اس کا نام میرے نام پر اور اس کے والد کا نام بھی میرے والد کے نام کے موافق ہو گا اور وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی۔

اور حدیث میں وارد ہے کہ اصحابِ کہف حضرت مہدی کے معاونین میں سے ہوں گے۔ اور حضرت عیسٰی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ان (مہدی) کے

زمانے میں نزول فرمائیں گے اور وہ (مہدی) دجال کے قتل کرنے میں حضرت عیسٰی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی موافقت کریں گے۔ اور ان (مہدی) کی سلطنت کے ظہور کے زمانے میں زمانے کی عادت کے برخلاف اور نجومیوں کے حساب کے بھی برخلاف چودہ ماہِ رمضان کو سورج گہن ہو گا اور اسی ماہ کے شروع میں چاند گہن ہو گا۔

تشریح:

کیونکہ سورج گرہن مہینے کی ابتدا میں ہوتا ہے اور چاند گرہن مہینے کے وسط میں ہوتا ہے لیکن امام مہدی کے ظہور کے زمانے میں اس کا الٹ ہو گا، وسط میں سورج گرہن ہو گا اور ابتدا میں چاند گرہن ہو گا۔

متن:

اب انصاف سے دیکھنا چاہیے کہ یہ علامات جو بیان کی گئی ہیں اس فوت شدہ شخص (سید محمد جونپوری) (اور غلام احمد قادیانی) میں موجود ہیں یا نہیں۔ (ان کے علاوہ) اور بھی بہت سی علامات ہیں جو مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوہ والسلام نے بیان فرمائی ہیں۔ شیخ ابنِ حجرؒ نے "علامات مہدیٔ منتظر" کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں دو سو کے قریب علامات بیان کی گئی ہیں۔ بڑی نادانی اور جہالت کی بات ہے کہ مہدی موعود کا معاملہ اتنا واضح ہونے کے باوجود ایک گروہ گمراہی میں مبتلا ہے۔ "هَدَاهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ إِلٰى سَوَاءِ الصِّرَاطِ" "اللہ سبحانہٗ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دے"۔

اس طرح غلام احمد قادیانی کا دعوی بھی جھوٹا ہے لیکن اس بنیاد پر ہم اس کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ اس نے جو نبوت کا دعوی کیا ہے اس کے بعد اس سے معجزہ طلب کرنے سے بھی بندہ کافر ہو جاتا ہے اس لیے یہاں تک بات ہی نہیں پہنچتی۔

پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل اکہتر فرقوں میں تقسیم ہو گیے، وہ سب ناری (دوزخی) ہیں مگر ان میں سے ایک فرقہ نجات پائے گا۔ اور عنقریب میری امت بھی تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی وہ بھی سوائے ایک "فرقہ ناجیہ" کے سب ناری ہوں گے (صحابہؓ نے) دریافت کیا کہ وہ فرقۂ ناجیہ کون لوگ ہیں؟ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ

وہ لوگ ہیں جو میرے طریقے اور میرے اصحاب کے طریقے پر ہوں گے۔

تشریح:

یہاں سے طریقۂ صحابہ ثابت ہو گیا۔ چونکہ اس چیز میں نفس رکاوٹ ہے لہذا جب نفس کی اصلاح ہو جائے تو طریق صحابہ پر آ جائیں گے۔

متن:

اور وہ فرقہ ناجیہ اہلِ سنت و جماعت ہے جو آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم جانتے ہیں اور آں سرور علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب کی پیروی کرتے ہیں۔ "اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰی مُعْتَقَدَاتِ اَھْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَاَمِتْنَا فِیْ زُمْرَتِھِمْ وَاحْشُرْنَا مَعَھُمْ"۔ "اے اللہ! تو ہم کو اہلِ سنت و جماعت کے اعتقادات پر ثابت قدم رکھ، اور ہم کو ان کے زمرے میں موت دے اور ان ہی کے ساتھ ہمارا حشر کرنا"۔ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران:۸) "اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہدایت دینے کے بعد ہمارے قلوب میں کجی پیدا نہ کرنا اور ہم کو اپنی رحمت سے نواز، بیشک تو بڑا ہی بخشش کرنے والا ہے"۔

تشریح:

جو اعتقادی لحاظ سے صحابہ کو اپنا رہنما اور مقتدا مانتے ہیں، ان کے طریقے پر ہمیں چلنا چاہیے، جو ان کے طریقے پر نہیں چل رہے لیکن اعتقاد کے لحاظ سے مانتے ہیں وہ بھی اہل السنت والجماعت ہیں، گناہ گار ہو سکتے ہیں لیکن اہل السنت والجماعت ہیں کیونکہ انہوں نے اعتقاد کے لحاظ سے مان لیا ہے البتہ عمل کے لحاظ سے جب مانیں گے تو وہ ان کے طریقے پر بھی ہوں گے۔ گویا کہ تصوف ہمیں اعتقاد سے عمل پہ لاتا ہے اور اسی اعتقاد کے عمل پہ لاتا ہے جو اس کا تقاضا ہوتا ہے۔

متن:

قبر کے عذاب کے بارے میں:

(عقیدہ نمبر10) مخبر صادق علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام نے جن چیزوں

کی خبر دی ہے مثلاً احوالِ قبر، احوالِ قیامت، حشر و نشر اور بہشت و دوزخ سب سچ اور حق ہیں۔ آخرت پر ایمان لانا بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان کی طرح ضروریاتِ اسلام میں سے ہے۔ آخرت کا منکر صانعِ حقیقی کے منکر کی مانند اور قطعی کافر ہے۔

مکتوب نمبر 17 کے عقیدہ نمبر 10 میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اور قبر کا عذات اور اس کا ضغطہ (تنگ ہونا) وغیرہ حق ہیں، اور اس کا انکار کرنے والا اگرچہ کافر نہیں ہے لیکن بدعتی ہے کیونکہ وہ احادیثِ مشہورہ کا منکر ہے اور چونکہ قبر دنیا و آخرت کے درمیان برزخ ہے اس لیے اس کا عذاب بھی ایک اعتبار سے دنیا کے عذاب کے مشابہ ہے کہ وہ بھی منقطع (ختم) ہونے والا ہے اور ایک اعتبار سے عذابِ آخرت کے مانند ہے کیونکہ وہ عذاب آخرت کی قسم سے ہے۔ اس عذاب کے مستحق زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو پیشاب (کی چھینٹوں) سے احتیاط نہیں کرتے اور وہ لوگ بھی ہیں جن کو چغل خوری اور نکتہ چینی کی عادت ہے۔ اور قبر میں منکر نکیر کا سوال بھی حق ہے اور قبر میں یہ ایک عظیم فتنہ اور آزمائش ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔

عقیدہ نمبر 11: قیامت کا دن برحق ہے اور یقیناً آنے والا ہے۔ اس دن آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور ستارے گر جائیں گے، زمین اور پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر معدوم ہو جائیں گے جیسا کہ نصوصِ قرآنی اس کی ناطق ہیں اور تمام اسلامی فرقوں کا اس پر اجماع ہے اور وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کا منکر کافر ہے۔ اگرچہ وہ وہمی مقدمات سے اپنے کفر کو آراستہ کر کے پیش کرے اور بیوقوفوں کو راہِ راست سے بھٹکائے۔ اس دن قبروں سے اٹھنا اور بوسیدہ اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا زندہ ہونا حق ہے۔ اعمال کا حساب اور میزان کا قائم ہونا، اعمال ناموں کا اڑ کر آنا اور نیک لوگوں کے دائیں ہاتھ میں اور بُرے لوگوں کے بائیں ہاتھ میں پہنچنا بھی حق ہے۔ اور پل صراط جو کہ دوزخ کی پشت پر رکھی جائے گی اس پر سے گزر کر جنتیوں کا جنت میں پہنچنا اور دوزخیوں کا دوزخ میں گرنا بھی حق ہے۔ یہ سب اُمور ممکنات میں سے ہیں جن کے واقع ہونے کی خبر مخبر صادق ﷺ نے دی ہے پس ان کو بغیر توقف کے قبول کر لینا چاہیے اور وہمی مقدمات کی بناء پر شک و تردد نہیں کرنا چاہیے۔ ﴿مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ﴾

(الحشر:۷) اور جو کچھ رسول تم کو دے اس کو پکڑ لو یہ نص قطعی ہے اور اس (قیامت کے) روز بُرے لوگوں کے حق میں نیک لوگوں کا شفاعت کرنا حضرت رحمان جَلَّ سُلْطَانُهٗ کی اجازت سے شفاعت کرنا حق ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: "شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ" "میری شفاعت میری امت کے کبیر گناہ کرنے والوں کے لیے ہے" اور کافروں کو حساب کے بعد دوزخ میں ہمیشہ کے لیے داخل ہونا ہے، اور عذابِ دوزخ بھی حق ہے اسی طرح مؤمنوں کا ہمیشہ کے لیے جنّت میں داخل ہونا ہے، اور جنت کی نعمتیں بھی حق ہیں۔ مؤمن فاسق کو اگرچہ اپنے گناہوں کی شامت کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں ڈالا جائے گا اور اپنے گناہوں کے موافق عذاب میں مبتلا ہو گا لیکن ہمیشہ دوزخ میں رہنا اس کے حق میں مفقود ہے، کیونکہ جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو گا وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا اور اس کا انجام رحمت پر ہے اور اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

مدار خاتمہ پر ہے:

ایمان اور کفر کا مدار خاتمہ پر ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ تمام عمر ان دونوں صفتوں (ایمان اور کفر) میں سے کسی ایک کے ساتھ متصف رہتا ہے اور آخر میں اس کی ضد سے متصف ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اعتبار خاتمہ کا ہے ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران:۸) "اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ہدایت فرمانے کے بعد کجی سے بچا اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بیشک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے"

خلافت اور امامت کی بحث اہل سنت کے نزدیک اگرچہ اصول دین میں سے نہیں ہے اور نہ ہی یہ اعتقاد کے ساتھ تعلق رکھتی ہے لیکن چونکہ شیعہ اس کے بارے میں غلو کرتے ہیں اور انھوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے، لہذا مجبوراً علمائے اہل حق رضی اللہ عنہم نے اس بحث کو علم کلام یعنی عقائد کے ساتھ ملحق کر دیا ہے اور حقیقت حال سے آگاہ فرما دیا ہے حضرت خاتم الرسل علیہ

و علیہم الصلوات و التسلیمات کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

تشریح:

ان کو خلفائے راشدین کہتے ہیں اور ان کی افضلیت کی ترتیب بھی یہی ہے۔

متن:

ان (خلفاءِ راشدین) کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے ہے۔

حضرات شیخین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے چنانچہ اس کو اکابر ائمہ نے نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ شیخ ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ جو اہل سنت کے سردار ہیں فرماتے ہیں کہ شیخین کی افضلیت باقی تمام امت پر یقینی ہے۔ دوسرے صحابہ پر شیخین کی افضلیت کا انکار سوائے جاہل یا متعصب کے اور کوئی نہیں کر سکتا حضرت امیر علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھ کو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور عمر رضی اللہ تعالی عنہ پر فضلیت دے وہ مفتری ہے میں اس کو اسی طرح کوڑے لگاؤں گا جس طرح مفتری کو لگائے جاتے ہیں (یعنی اسّی کوڑے) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

تشریح:

جو نجیب الطرفین سید ہیں۔

متن:

اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں اور ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں عروج واقع ہوا تو میں نے اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ "میرے بعد میرا خلیفہ علی ہو"۔ فرشتوں نے کہا "اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ خدائے تعالیٰ چاہے وہی ہو گا اور آپ کے بعد خلیفہ ابو بکر ہیں نیز حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر (علی) نے فرمایا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گیے جب تک مجھ

سے یہ عہد نہیں لے لیا کہ میری وفات کے بعد خلیفہ ابو بکر ہوں گے اس کے بعد عمر پھر عثمان اور اس کے بعد تو خلیفہ ہو گا۔

اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور علمائے اہل سنت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو علم و اجتہاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دیتے ہیں۔ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں حضرت عائشہ کو مطلقاً فضیلت دیتے ہیں لیکن جو کچھ اس فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہ علم و اجتہاد میں پیش پیش ہیں اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا زہد و تقویٰ اور انقطاع (مخلوق سے علیحدگی) میں پیش رو ہیں اسی لیے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو بتول کہتے ہیں جو انقطاع میں مبالغہ کا صیغہ ہے۔

تشریح:

تَبَتُّلْ سے ہے۔

متن:

اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فتاویٰ کا مرجع تھیں۔ اور اصحاب پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات کی کوئی علمی مشکل ایسی نہ تھی جس کا حل حضرت عائشہؓ کے پاس نہ ہو۔

وہ جنگ و جدال اور جھگڑے جو اصحاب کرام علیہم الرضوان کے درمیان واقع ہوئے ہیں مثلاً جنگ جمل، جنگ صفین ان کو اچھے معانی اور نیک نیتی پر محمول کرنا چاہیے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہیے کیونکہ ان بزرگواروں کے نفوس حضرت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات کی صحبت میں رہ کر ہوا وہوس اور تعصب سے پاک اور حرص و کینہ سے بالکل صاف ہو چکے تھے۔ وہ اگر صلح کرتے تھے تو حق کے لیے اور اگر لڑائی جھگڑا کرتے تھے تو وہ بھی حق کے لیے ہوتا تھا، اور ہر گروہ اپنے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کرتا تھا اور خواہشات و تعصب کے شائبہ سے پاک ہو کر مخالف دشمن کی مدافعت کرتے تھے۔ ان میں سے جو شخص اپنے اجتہاد میں مصیب یعنی راستی پر تھا اس نے دو درجے بلکہ ایک قول کے مطابق دس درجے ثواب پایا اور جو مخطی یعنی خطا پر تھا

اس کو بھی ایک درجہ ثواب کا حاصل ہے۔ پس مخطی مصیب کی طرح ملامت سے دور ہے بلکہ درجات ثواب میں سے ایک درجہ ثواب کی امید رکھتا ہے علماء نے فرمایا ہے کہ ان جنگوں میں حق حضرت امیر رضی اللہ تعالی عنہ کی جانب تھا اور مخالفوں سے اجتہاد میں غلطی ہوئی لیکن اس کے باوجود ان پر طعن نہیں کیا جا سکتا اور ان پر ملامت کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے، چہ جائے کہ ان کی طرف کفر و فسق کی نسبت کی جائے حضرت امیر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی وہ نہ کافر ہیں نہ فاسق، کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے جو کفر و فسق کو روکتی ہے۔

تشریح:

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان لڑائیوں میں نہ مال غنیمت لیا گیا، نہ کسی کو غلام یا باندی بنایا گیا۔ خوارج نے علی کرم اللہ وجہہ سے اسی وجہ سے بغاوت کی تھی کہ آپ نے لڑائی کی لیکن نہ ان سے مالِ غنیمت حاصل کیا اور نہ ان کو غلام اور باندی بنایا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ جب ان کے ساتھ بات کرنے کے لیے گیے تھے تو انھوں نے خوارج کو جواباً کہا تھا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کو تم میں سے کون باندی بنا سکتا ہے؟

متن:

علماء نے فرمایا ہے کہ ان جنگوں میں حق حضرت امیر رضی اللہ تعالی عنہ کی جانب تھا اور مخالفوں سے اجتہاد میں غلطی ہوئی لیکن اس کے باوجود ان پر طعن نہیں کرنا چاہیے۔

ہمارے پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے "**اِيَّاكُمْ وَمَا شَجَرَ بَيْنَ اَصْحَابِيْ**" جو اختلافات میرے اصحاب کے درمیان ہو تم ان سے بچتے رہو پس پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے تمام اصحاب کو بزرگ جاننا چاہیے اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہیے اور ان میں سے کسی کے حق میں بد گمان نہیں ہونا چاہیے اور ان کے لڑائی جھگڑوں کو دوسروں کی مصلحت سے بہتر جاننا چاہیے، فلاح و نجات کا صرف یہی طریقہ ہے۔ کیونکہ اصحاب کرام کی دوستی پیغمبر صل اللہ علیہ وسلم کی دوستی کے باعث ہے اور ان سے بغض رکھنا پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دشمنی تک لے

جاتا ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں: "مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ مَنْ لَّمْ یُوَقِّرِ الصَّحَابَةَ" اس شخص کا رسول اللہ ﷺ پر ایمان ہی نہیں جس نے آپ کے اصحاب کی عزت و توقیر نہیں کی۔

شیخین کی فضیلت:

مکتوب نمبر 17 کے عقیدہ نمبر14 میں شیخین کی فضیلت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

اور حضرات خلفاء اربعہ کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے کیونکہ اہلِ حق کا اجماع اسی پر ہے کہ پیغمبروں صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ سبحانہ علیہم اجمعین کے بعد افضلِ بشر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ بعد ازاں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی افضلیت کی وجہ جو کچھ اس فقیر نے سمجھی ہے وہ فضائل و مناقب کی کثرت نہیں ہے بلکہ

۱۔ ایمان کی اسبقیت ہے اور ۲۔ مال کے خرچ کرنے میں پیش پیش رہنا اور ۳۔ دین کی تائیدات اور ملتِ متین کی ترویج میں اپنے نفس کو لگائے رکھنے میں اولیت ہے، کیونکہ سابق اگرچہ دین کے معاملے میں لاحق کا استاد ہے اور لاحق جو کچھ پاتا ہے وہ سابق کی دولت کے دستر خوان سے پاتا ہے۔ اور ان تینوں صفات کا مجموعہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات میں منحصر ہے جس نے ایمان کی سبقت کے ساتھ ساتھ مال کو خرچ کیا اور اپنے نفس کو دین کے کاموں میں لگایا وہ یہی (حضرت ابو بکر صدیق) رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں، اور یہ دولت اس امت میں ان کے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں ہوئی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا: "لَيْسَ مِنَ النَّاسِ اَحَدٌ اَمَنَّ عَلَيَّ فِي نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ مِنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ اَبِيْ قُحَافَةَ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنَ النَّاسِ خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا وَّلٰكِنْ اُخُوَّةُ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ سُدُّوْا عَنِّيْ كُلَّ خَوْخَةٍ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ غَيْرَ خَوْخَةِ اَبِيْ بَكْرٍ" "لوگوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس نے مجھ پر ابو بکر بن ابو قحافہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ بڑھ کر اپنے نفس اور مال خرچ کرنے میں احسان کیا ہو، اگر میں لوگوں میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بناتا لیکن اسلامی اخوت افضل ہے، اس مسجد میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کے علاوہ جتنی کھڑکیاں ہیں سب کو بند کر

دو" اور حضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا: "اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِی اِلَیْکُمْ فَقُلْتُمْ کَذَبْتَ وَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ صَدَقْتَ وَوَاسَانِی بِنَفْسِہٖ وَمَالِہٖ فَھَلْ اَنْتُمْ تَارِکُوْنَ لِی صَاحِبِی" "بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا پس تم نے مجھے جھٹلایا اور ابو بکرؓ نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال سے میری ہمدردی و غمخواری کی کیا تم میرے لیے میرے دوست کو نہیں چھوڑ سکتے"

اور آپ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام نے یہ بھی فرمایا: "لَوْکَانَ بَعْدِی نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ" "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطابؓ ہوتا"۔ اور حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابو بکرؓ و عمرؓ دونوں اس امت میں سب سے افضل ہیں جو کوئی مجھ کو ان دونوں پر فضیلت دے وہ مفتری ہے اور میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے مفتری کو لگاتے ہیں۔

مشاجرات صحابہ کے بارے میں:

اور وہ جھگڑے اور جنگیں جو حضرت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات کے صحابہؓ کے درمیان واقع ہوئی ہیں ان کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہیے اور ان کو ہوا و ہوس کے گمان اور حُبِّ جاہ و ریاست اور طلبِ رفعت و منزلت سے دُور سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ نفسِ امارہ کی رذیل خصلتوں میں سے ہیں۔ اور ان بزرگوں کے نفوس حضرت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات کی صحبت میں پاک و مزکی ہو چکے تھے، البتہ اس قدر ہے کہ جو جھگڑے اور جنگیں حضرت علیؓ کی خلافت میں واقع ہوئیں ان میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی جانب حق تھا اور مخالفین خطائے اجتہادی پر تھے۔

جس میں طعن و ملامت کی مجال نہیں۔ لہٰذا فاسق کہنے کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے جبکہ تمام صحابہ عدول ہیں اور ان کی تمام روایات مقبول ہیں۔ اور حضرت امیرؓ کے موافقوں اور مخالفوں کی روایات صدق و وثوق دونوں میں مساوی ہیں اور لڑائی جھگڑے کے باعث کسی پر جرح نہیں ہے۔ لہٰذا سب کو دوست رکھنا چاہیے کیونکہ ان کی دوستی حضرت پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات کی دوستی کی وجہ سے ہے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا: "مَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّی اَحَبَّھُمْ" "جس نے ان سے محبت

رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی" اور ان کے ساتھ بغض و دشمنی سے پرہیز رکھنا چاہیے کہ ان کے ساتھ بغض رکھنا آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوات و التسلیمات کے ساتھ بغض رکھنا ہے جیسا کہ آپؐ نے ارشا فرمایا ہے: "**مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِی اَبْغَضَهُمْ**" "جس نے ان کے ساتھ بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض رکھا"۔ ان بزرگوں کی تعظیم و توقیر حضرت خیر البشر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و السلام کی تعظیم و توقیر ہے اور ان کی تعظیم نہ کرنا آپؐ کی تعظیم نہ کرنا ہے، لہٰذا تمام (صحابہؓ) کی تعظیم و توقیر حضرت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات کی صحبت کی وجہ سے کرنی چاہیے۔ شیخ شبلیؒ فرماتے ہیں: "جس نے صحابہ کرامؓ کی عزت نہ کی اس کا رسول اللہ پر بھی ایمان نہیں"۔

تشریح:

اللہ جل شانہ ہمارے عقیدوں کو سلامت رکھے۔ اس کے مطابق اپنے عقیدے بنانے چاہئیں کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اپنے اعمال کی حفاظت کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے عقائد کو سلامت رکھیں، اس پر قائم رہیں، دوسروں تک بھی اس کو پہنچائیں اور وہ اعمال کریں جو ان عقیدوں کے ذریعے سے ہم تک پہنچے ہیں۔ اللہ تعالی قبول فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن

مقامات قطبیہ ومقالات قدسیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

متن:

مناقب ہٰذا کا یہ ضعیف اور کمزور جامع (شیخ عبد الحلیم صاحب فرزند کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ) عرض کرتا ہے کہ ایک دن میں نے اپنے شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت شیخ آپ کے پیر و مرشد محترم کون صاحب ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ خدا مجھے آپ کا درد نہ دکھائے۔ یہ خاص الفاظ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھے جو کہ مہربانی اور لطف کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے تھے، کہ شیخی کو میں نے شیخوں یعنی مشائخ کے لیے چھوڑ دیا۔ پیری کو پیروں کے واگزار کر دیا۔ سلوک سالکوں کو بخش دیا۔ تصوف صوفیوں کے لیے چھوڑ دیا۔ میں تو یہ چاہتا ہوں اور میری حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کی جو زنجیر میرے گلے میں ڈال دی ہے، چاہتا ہوں کہ یہ میری گردن میں پڑی رہے اور میری گردن سے جدا نہ ہو۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست

مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

میری گردن میں دوست نے رسی ڈال رکھی ہے اور جس طرح کہ اُس کی مرضی ہو مجھے کھینچے لیے جا رہا ہے پس یہ عبدیت کا مقام ہے اور عبدیت کے بہت سے اور بکثرت درجات ہیں۔

با دو قبلہ در رہ توحید نتواں رفت راست

یا رضائے دوست باید یا ہوائے خویشتن

توحید کے راستے پر دو قبلوں کی طرف رخ کر کے نہیں چلا جاتا یا دوست کی مرضی پر چلنا ہوتا ہے اور یا اپنی خواہش پر۔

بیت:

گر مرا دوزخ بسوزند خاکسارے گو مباش
ور مرا جنت نباشد بوستانے گو مباش

منا سگ اصحاب کہفم بر در مرداں مقیم
گردِ ہر دَر نے مگر استخوانے گو مباش

اگر مجھے دوزخ جلائے تو بھی مجھے کچھ پروا نہیں اور اگر میرے لیے جنت نہ ہو تو ایک باغ کی بھی مجھے حاجت نہیں میں اصحاب کہف کا کتا ہوں اور اُن جواں مردوں کے دروازے پر قیام پذیر ہوں میں، ہر دروازے پر نہیں جاتا کیونکہ مجھے ہڈی کی کوئی ضرورت اور خواہش نہیں۔ اور یہ محبت ذاتی ہے ﴿اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا﴾ "اے خدا یہ ہمیں نصیب فرما" اور عبودیت مقام رضا ہے۔ اگر تم پر کوئی افتاد پڑے تو قضائے الٰہی پر عمل کرو قضائے الٰہی پر رضامندی اختیار کرنا اور اس پر چوں و چرا اں کرنا مقام رضا و عبودیت ہے۔ جب عبدیت کا شرف و سعادت نصیب ہو جائے تو لازمی طور پر کرامت کا تاج اور امامت کی خلعت حاصل ہوتی ہے۔ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾ (الاسراء:1) پاک ہے وہ ذات جس نے رات کے وقت اپنے عبد کو سیر کرائی۔ اسی کی جانب "عبد" سے اشارہ ہے ﴿یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ﴾ (الزخرف:68) اسی "عبدیت" کا نتیجہ ہے۔

تشریح:

اصل میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت اویسی طریقے سے ہوئی تھی، ان کو نسبت اویسیت حاصل تھی اور جیسا کہ آگے آ رہا ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت کا ایسا روحانی رشتہ قائم تھا جس کے ذریعے سے آپ کی تربیت ہو رہی تھی، لیکن چونکہ کسی زندہ شیخ کے ساتھ تعلق رکھنا ضروری ہوتا ہے اور ظاہر اس پر کیا جاتا ہے، اس لیے کوئی اور زندہ ذریعہ موجود ہونا بھی ضروری ہے۔ حضرت

کے بارے میں جیسے ابھی ان شاء اللہ آگے بات آ رہی ہے کہ چونکہ حضرت کے والد صاحب حضرت بہادر بابا رحمۃ اللہ علیہ بھی بہت بڑے ولی تھے، باخود قطب عالم تھے، حضرت کی ارادت اپنے والد صاحب کے ساتھ ہی ظاہر ہو رہی ہے گویا حضرت کے طریقے پر سہروردی نسبت میں ظاہری تربیت ہوئی تھی لیکن چونکہ بیعت ہونا لازم نہیں ہوتا بلکہ مستحسن ہے، یعنی کسی کی تربیت میں ہونا ہی کافی ہوتا ہے لہذا تربیت اصل ہے بیعت اس کے لیے ایک ذریعہ ہے۔ بعض لوگ بیعت تو ہو جاتے ہیں لیکن ان کی تربیت نہیں ہوتی، کیونکہ وہ اس کے مقصد کو نہیں سمجھتے، بس بیعت ہونا کافی سمجھتے ہیں حالانکہ بیعت ہونا کافی نہیں ہے، تربیت ہونا ضروری ہے، چنانچہ اگر تربیت ہو اور بیعت نہ ہو تو مقصد حاصل ہو جاتا ہے لیکن اگر بیعت ہو مگر تربیت نہ ہو تو مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے تربیت حاصل ہونا بنیادی چیز ہے۔ چنانچہ حضرت کی تربیت کی جگہ موجود تھی اور وہ ان کے والد صاحب تھے، کیونکہ جب وہ باقی حضرات کی تربیت فرما رہے تھے تو یقیناً اپنی اولاد کے لیے انہوں نے کیا کچھ نہیں چھوڑا ہو گا؟ لیکن بہر حال کسی اور شیخ سے حضرت کا بیعت ہونا ثابت نہیں ہے، اشارے بہت ملتے ہیں لیکن کوئی اشارہ ابھی قطعیات تک نہیں پہنچا، محض اشارے ہی رہ گیے، لہذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فلاں شیخ سے بیعت تھے۔ البتہ حضرت کی تربیت بنیادی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کے ذریعے سے ہوئی ہے۔ یہ آج کل کی باتیں نہیں ہیں، بہت پہلے سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ میرا اپنا قلبی ذوق بھی یہی کہتا ہے کہ تقریباً جتنے بھی بڑے شیوخ گزرے ہیں ان کی تربیت پہلے اویسی ہوتی تھی بعد میں پھر ظاہری طریقے سے کسی کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ مثلاً ہمارے بڑے بڑے اکابر جیسے حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، یا اس طرح کے دیگر اکابر کی بنیادی تربیت اویسی طریقے سے ہو چکی ہوتی تھی بعد میں پھر کسی مرشد کے حوالے کر دیا جاتا تھا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے فرمایا تھا اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اتنا وثوق تھا کہ انہیں ڈھونڈھ رہے تھے چونکہ ان کا چہرہ اور صورت یاد تھی، جہاں بھی

جاتے تو پتا چلتا کہ یہ وہ نہیں ہیں تو کسی اور جگہ جاتے بالآخر کسی نے کہا کہ جھنجھانہ میں بھی ایک بزرگ ہیں آپ انہیں بھی دیکھ لیں ممکن ہے وہی ہوں تو حاجی صاحب وہاں گیے اور جب ان کو دیکھا تو واقعتاً وہی تھے، چنانچہ فوراً حضرت کے قدموں پہ پڑ گیے اور عرض کی کہ مجھے اپنی فرزندی میں لے لیجئے، حضرت نے ان کو مونڈھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور فرمایا تمہیں اپنے خواب کے اوپر بڑا وثوق ہے، گویا حضرت کو بھی اس کا پتا تھا کہ ان کو میں دکھایا گیا ہوں۔ یہ واقعہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تذکرہ مشائخِ چشت" میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ واقعتاً بعض حضرات کی تربیت روحانیت کے عالم میں ہو جاتی ہے لیکن پھر ان کو کسی کے پاس بھیج دیا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت کی روحانی تربیت بچپن سے ہوئی تھی جیسا کہ حضرت کی سوانح میں یہ باتیں موجود ہیں، اور آگے شاید آئیں گی۔ لیکن ان کی ظاہری تربیت میں حضرت کے والد صاحب ہی نظر آتے ہیں۔

یہاں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ حضرت شیخ عبد الحلیم بابا گل چونکہ عالم تھے اور سب علماء کرام تحقیق کرتے ہیں اور ہر بات تحقیقاً کرتے ہیں، لہذا انہوں بھی اپنی تسلی کے لیے اپنے والد بزرگوار کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کے مرشد کون ہیں؟ حضرت نے جواب میں ایسی بات ارشاد فرمائی جس سے حضرت کا اپنا مقام بھی چھپ گیا اور ساتھ ہی بہت قیمتی بات بھی فرمائی۔ چنانچہ حضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ میری تربیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہوئی ہے، کیونکہ یہ مناسب نہیں تھا۔ اور ساتھ ہی ایسی قیمتی بات ارشاد فرمائی جو تصوف کا ماحاصل ہے اور جسے ہمیں سنہری حروف سے اپنے دل پہ لکھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرما دے۔ یہ بہت بڑی بات ہے، اللہ تعالیٰ کرے ہمیں اس کا ذوق نصیب ہو جائے، اصل تو ذوق کی بات ہے ورنہ ممکن ہے علمی لحاظ سے شاید اکثر کو معلوم ہو لیکن اس کا ذوق کسی کسی کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ بات حضرت نے یہ فرمائی کہ میں نے شیخی شیخوں کے حوالے کر دی، پیری پیروں کو واگزار کر دی، سلوک سالکوں کو بخش دیا، تصوف صوفیوں کے لیے چھوڑ دیا۔ چنانچہ اس میں تمام عالی مراتب سے اپنے آپ کو فارغ کر دیا۔ اور ساتھ یہ فرمایا

کہ اللہ جل شانہ نے اپنی بندگی کی زنجیر میرے گلے میں ڈالی ہے، یعنی جسے ہم عبدیتِ محض کہتے ہیں کہ بس میں اللہ کا بندہ ہوں اور کچھ نہیں ہوں۔ میرے خیال میں ہمارے سب اکابر حضرات اپنے نام کے ساتھ "بندۂ نا چیز" یا "بندۂ ضعیف" بھی لکھتے ہیں۔ البتہ صرف دل اور قلم یا دل اور زبان کا ہی فرق ہے اگر یہ کیفیت دل میں آ جائے کہ میں واقعی بندۂ ضعیف ہوں تو پھر بات ہی ختم ہو جائے، اور پھر تو سارے کے سارے titles سارے کے سارے آگے پیچھے ہو جائیں، لیکن دل titles میں پھنسا ہوتا ہے اور کوئی نہ کوئی title چاہیے ہوتا ہے۔ طریقت کے راستے کا سب سے بڑا روڑا خلافت کی سوچ ہے جس سے شاید بہت کم لوگ بچتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو بچائے تو یہ اس پر اللہ کا بڑا کرم ہے ورنہ صورت حال یہی ہے۔ جب کہ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقام کو دیکھو کہ اپنے آپ کو بالکل کچھ بھی نہیں سمجھتے، کسی چیز کی طرف بھی دھیان نہیں ہے، صرف اللہ کی طرف دھیان ہے کہ میں بس اللہ کا بندہ ہوں۔ اگر یہ بات ہمیں سمجھ میں آ جائے تو کیا بات ہے، پھر تو ہماری ساری باتیں clear ہو جائیں، لیکن ایسا کہاں ہوتا ہے؟ ایسا ہوتا نہیں ہے، ہمارے اندر بہت ساری باتیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے ہم لوگ اپنے آپ کو پھنساتے رہتے ہیں۔

یہاں مزید فرمایا کہ اگر کوئی شخص عبد بن جائے تو عبدیت کے ساتھ جو تاج کرامت ہے وہ خود بخود حاصل ہو جائے گا، لیکن صحیح بندگی حاصل کرنا ہی تو مشکل کام ہے، کیونکہ صحیح بندگی نفسانیت کے خاتمے اور روحانیت کے چھا جانے کا نام ہے۔ اور اتنی روحانیت کو پیدا کرنے کے لیے اور اتنی نفسانیت کو ختم کرنے کے لیے ہی تو سارے پاپڑ بیلے جاتے ہیں، لہذا جب تک نفسانیت موجود ہو بندگی نہیں آتی، جیسے آگے شعر میں بالکل واضح طور پر فرمایا ہے:

متن:

با دو قبلہ در رہِ توحید نتواں رفت راست
یا رضائے دوست باید یا ہوائے خویشتن

توحید کے راستے پر دو قبلوں کی طرف رخ کر کے نہیں چلا جاتا۔

تشریح:

ایک road اِدھر ہے اور ایک road دوسری طرف ہے اگر کوئی ایک طرف ہے تو وہ دوسری طرف نہیں ہو گا، یہی وجہ ہے کہ اگر نفسانیت ہو تو توحید نہیں رہتی۔ اور نفسانیت اتباعِ ہوا کا نام ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ﴾ (الجاثیۃ:۲۳) کیا تو نے دیکھا جس نے اپنے نفس کو اپنا معبود بنا لیا" چنانچہ جو نفس کو اپنا معبود بنا لیتا ہے تو وہ توحید پر کہاں رہتا ہے؟ لہذا اسی نفسانیت کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ میرے خیال میں یہ سمجھانا بہت ہی مشکل کام ہے، یہ ادھر اور ادھر والی مثال بھی صحیح ہے لیکن بہر حال میں ایک اور مثال کے ذریعے سے آسانی سے سمجھا سکتا ہوں کہ اگر آپ اوپر جانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے نیچے جانے والی چیز چھوڑنا پڑے گی، کیونکہ نیچے جانا ثقل یعنی نفسانیت ہے اور اوپر جانا روحانیت ہے، چنانچہ اگر روحانیت کمزور ہو اور نفسانیت زیادہ ہو تو اوپر آپ نہیں جا سکیں گے بلکہ نیچے ہی جائیں گے۔ اسی لیے میں نے کہا یہی چیز سمجھانا مشکل ہے کیونکہ انسان ہر وقت کسی نہ کسی حالت پر ہوتا ہے، لہذا تمام احوال کو اسی طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ اوپر کا راستہ روحانیت کا ہے اور نیچے والا نفسانیت کا ہے۔ مثلاً غبارے میں Hydrogen بھریں گے تو وہ اوپر کی طرف جائے گا لیکن اس غبارے کا اپنا وزن اگر کم ہو گا تو وہ زیادہ اوپر جائے گا۔ جیسے جہاز Aluminium طرز کے metals سے بنایا جاتا ہے جو مضبوط اور ہلکے ہوتے ہیں اور اس میں lift بڑھانے کے لیے potential ہے، اس کو بڑھایا جاتا ہے یعنی انجن کی طاقت کو بڑھایا جاتا ہے، اور اس کا وزن جو نیچے لانے کا باعث بنتا ہے اسے کم کر دیا جاتا ہے، لیکن اگر اس کو نیچے لانے والی قوت اوپر لے جانے والی قوت سے زیادہ ہو تو آپ اوپر جا ہی نہیں سکتے بلکہ نیچے ہی جائیں گے اور اگر دونوں قوتیں برابر ہو جائیں تو آپ اپنی جگہ پر ہی رہیں گے۔ جہاز میں تو یہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ helicopter میں ممکن ہوتا ہے اس potential اتنا رکھو جتنا کھڑے رہنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اور جب بلندی پہ جانے والی طاقت نیچے لے جانے والی قوت سے بڑھ جائے تو آپ اوپر جائیں گے۔ لیکن پھر ان کی speed ratio پر depend کرتی ہے، جیسے جیسے ان کا ratio بڑھتا

جائے گا یعنی روحانیت جتنی جتنی بڑھتی جائے گی اتنی ہی اس کی speed بڑھتی جائے گی اور اگر نفسانیت بالکل ختم ہو جائے اور مکمل روحانیت آ جائے تو اس کی speed آن کی آن میں لا متناہی ہو جائے گی۔

چې پۀ يو قدم تر عرشه پورے رسي ماليدلې دے رفتار دَ درويشانو

یعنی جب مکمل روحانیت آ جائے اور نفسانیت بالکل ختم ہو جائے تو یہ مقامِ عبدیت ہے جس میں نفسانیت صفر ہے۔ اگر عبدیتِ کاملہ کا یہ مقام حاصل ہو جائے تو یہ کامل معراج ہے جیسے فرمایا: ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَكۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا﴾ (الاسراء:۱) اس لیے کہتے ہیں "اَلصَّلٰوةُ مِعۡرَاجُ الۡمُؤۡمِنِیۡن" چونکہ نماز عبدیت کے لیے ہے لہذا نمازی کی نمازیت جتنی زیادہ ہو گی اور اس کی نماز جتنی کامل ہو گی اس کو یہ اتنے ہی بلند مقام پہ لے جائے گی۔ اور نماز میں تمام چیزیں عبدیت کی ہیں جیسے قیام کا مطلب ہے کہ اے اللہ میں تیرے سامنے کھڑا ہوں جو تیرا حکم ہو میں اس کے سامنے سرِ تسلیم خم ہوں، اور جب آپ کہتے ہیں "اَللّٰہُ اَکۡبَر" تو گویا آپ نے نفسانیت کو پیچھے پھینک دیا کہ اب میں یہاں کا نہیں ہوں، پھر آپ ثنا سے نماز شروع کرتے ہیں جو عبدیت کا خلاصہ ہے۔ پھر سورہ فاتحہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط بڑھایا جاتا ہے۔ پھر قیام کی حالت میں اللہ پاک کو اس کا کلام سنایا جاتا ہے کہ میرا مقصود تو یہ ہے، پھر جب رکوع میں جاتے ہیں تو گویا یہ عبدیت کی جانب ایک منزل ہے کہ میں نے اپنے نفس کو تیرے آگے جھکا دیا ہے، یعنی اپنے نفس کو اللہ کے سامنے جھکانا رکوع کہلاتا ہے۔ کیونکہ رکوع کا معنیٰ جھکنا ہے۔ بہر حال رکوع میں ہم اللہ کے سامنے جھکتے ہیں جیسے قرآن پاک میں ہے: ﴿وَارۡكَعُوۡا مَعَ الرّٰكِعِیۡنَ﴾ (البقرۃ:۴۳) لیکن اس کے اندر کیا پڑھنا ہے اور رکوع میں جاتے ہوئے کیا پڑھنا ہے، اس سے واپس آتے ہوئے کیا پڑھنا ہے، ان تمام چیزوں پہ غور کریں تو ان سے بھی عبدیت ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ رکوع میں جاتے ہوئے کہتے ہیں "اَللّٰہُ اَکۡبَر" کہ میں نہیں، میرا نفس نہیں بلکہ اللہ سب سے بڑے ہیں۔ پھر رکوع کے اندر پڑھتے

ہیں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم" "پاک تو میرا رب ہے جو بہت عظمت والا ہے" پھر جب رکوع سے سر اٹھاتے ہیں تو کہتے ہیں "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" "جس کی حمد ہے اس نے سن لی" اور اس کے بعد "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" ہے کہ "اصل تعریف تو اے اللہ تیری ہے" یعنی اے ہمارے رب جس کو تعریف کہتے ہیں وہ تو تیرے لیے ہے، میں اپنے تمام titles سے جدا ہو گیا۔ گویا دماغ میں بنیادی ڈھانچہ دیا جاتا ہے پھر اس میں رنگ بھرنا ہوتا ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں طریقت نماز کی تکمیل ہے، یعنی تمام لوگ نماز کی صفت پر آجائیں، جیسے آپ حضرات نے تبلیغی جماعت میں بھی سنا ہو گا کہ با قاعدہ فضائل میں یہ بتایا جاتا تھا کہ ہماری زندگی نماز کی صفت پر آ جائے۔ یہ نماز میں کیا ہے؟ یعنی جو میں عرض کر رہا ہوں اس کو اچھی طرح سمجھیں "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ"، "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" یہ بظاہر الفاظ ہیں لیکن در حقیقت ان الفاظ میں بہت بڑی حقیقت ہے اگر ہمارے دل کی حالت بھی ان الفاظ کے مطابق بن جائے تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔ بہر حال پھر اس کے بعد ہم "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہتے ہوئے سجدے میں جاتے ہیں۔ اب چونکہ اپنا سب کچھ گرا دیا اور پھر نماز میں اپنی اشرف ترین جگہ ماتھا اسفل ترین جگہ پہ رکھ دیا کیونکہ اس سے نیچے ہم جا نہیں سکتے۔ پھر ہم نے کہا "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" "پاک ہے میرا رب جو بلند ہے" پھر "اَللّٰهُ اَكْبَرُ"، پھر "اَللّٰهُ اَكْبَرُ"، پھر "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" گویا سجدہ ایک قسم کا استمرار ہے جیسے جب انسان والہانہ طور پہ کسی کے سامنے جھکتا ہے تو ایک دفعہ نہیں جھکتا بلکہ بار بار جھکتا ہے۔ چنانچہ جب سجدہ دوبارہ ہوتا ہے یا تسبیحات بار بار پڑھی جاتی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس کی اضطراری کیفیت ہے کہ میں تو اپنے رب کے سامنے جھکوں گا یا میں پڑھوں گا، یہ سجدوں کی حالت ہو گئی۔ اس کے بعد پھر ہم دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ کام کرنا ہے کیونکہ قیام کا مطلب کام کرنا، اس لیے کہ قیام کام کے لیے ہوتا ہے اور سجدہ کیفیت پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے لہٰذا جھکنا اللہ کے سامنے ہے لیکن کھڑا ہونا اس کے حکم کے لیے ہے، اسی لیے کہتے ہیں کہ انسان کی نیت اس وقت بڑی ہو گی جب اس کا ہر ہر رکن اس نیت کے ساتھ ہو کہ میں اپنے رب کے حکم سے دوبارہ دوسرے رکن

پہ جا رہا ہوں۔ ورنہ بہترین حالت تو سجدے کی ہے بس سجدے میں ہی پڑے رہو، جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ (العلق:۱۹) یہ آیت سجدہ ہے لہذا اس پر سجدہ تلاوت کرنا ضروری ہے۔ بہر حال مقصود اللہ کے سامنے جھکنا ہے، اور یہ جھکنا بنیاد ہے، قرب بھی اسی سے حاصل ہو گا لیکن قرب کس لیے حاصل کیا جاتا ہے؟ کام کے لیے حاصل کیا جاتا ہے۔ لہذا دوبارہ کام کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ چنانچہ 2 رکعت نماز کی ہو یا 3 یا 4 رکعت ہو سب میں بالآخر آخری قعدہ جو فرض ہے اس میں ہم کیا کرتے ہیں؟ اگرچہ درمیانی قعدہ میں بھی وہی کچھ کرتے ہیں لیکن وہ اس کی rehearsal ہے بہر حال آخری قعدہ میں ہم کیا کرتے ہیں؟ پہلے "**اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن**" کی مناسبت کے لحاظ سے معراج کے واقعے کو درمیان میں رکھا گیا ہے، چونکہ بنیادی نماز 2 رکعت ہے لہذا 2 رکعت عبادت واجب ہے کیونکہ اگر آپ نفل پڑھو گے تو بنیادی 2، 2 رکعتیں ہیں۔ ہر 2 رکعت کے بعد ایک درمیانی قعدہ واجب ہوتا ہے، چاہے 3 رکعت نماز ہو چاہے 4 رکعت کی۔ پھر آخری قعدہ جو فرض ہے اس میں "**تَشَهُّدْ**" ہے، اور **تَشَهُّدْ** آپ ﷺ کی معراج کے واقعے کی rehearsal ہے کہ معراج میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا کہ تم میرے لیے کیا لائے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "**اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ**" یعنی میں جانی اور مالی عبادتیں لایا ہوں۔ تو اللہ پاک نے فرمایا "**اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ**" اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"**اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ**" اس پر جبرائیل علیہ سلام نے کہا: "**اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ**" اسے سلام بھی کہتے ہیں اور تشہد بھی کہتے ہیں اور یہ معراج کے واقعہ کا ایک حصہ ہے۔ چونکہ آخری قعدہ میں آپ ﷺ کی شان کا ظہور ہوا ہے لہذا مصلی (نمازی) پر لازم ہے کہ وہ آپ ﷺ پہ درود پڑھے، کیونکہ آپ ﷺ کے معراج کے واقعے میں جو شان ظاہر ہوئی ہے اور آپ ﷺ پر سلام تو پڑھ لیا لہذا اب درود پڑھو اور درود پڑھنے کے بعد چونکہ دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اس طرح یہ نماز کا اختتام بھی ہے اور نماز کے اختتام پر بھی دعائیں قبول ہوتی ہیں لہذا اب دعا بھی کر لو۔

مولانا عبد اللہ کاکا خیل رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم تھے اور اسلامی university میں Dean تھے، ان سے کسی نے کہا کہ آپ نماز کے بعد دعا کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا میں کرتا ہوں۔ اس نے کہا کب کرتے ہیں؟ فرمایا: نماز کے اخیر میں جو دعا ہے وہ میں کرتا ہوں۔ در اصل حضرت قعدہ اخیرہ میں زیادہ لمبی دعائیں کرتے تھے، چونکہ انہیں عربی پر عبور حاصل تھا اور چونکہ نفلوں اور سنتوں میں احادیث کی دعائیں پڑھی جا سکتی ہیں اور فرضوں میں قرآنی دعائیں پڑھ سکتے ہیں اور حضرت چونکہ حافظِ قرآن بھی تھے اور عربی میں بھی شیخ الادب تھے لہذا نماز میں وہ زیادہ دعائیں پڑھتے تھے، باہر اتنی نہیں پڑھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ زیادہ قبولیت نماز کے اندر ہے تو میں اس وقت کو کیوں استعمال نہ کروں؟ جب کہ ہم لوگوں نے صرف ایک دعا یاد کی ہوتی ہے "رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً" اور پتا بھی نہیں چلتا کہ ہم نے مانگا کیا ہے۔ وہ تو ہماری عام دعا ہوتی ہے پتا ہی نہیں چلتا۔ صحیح بات عرض کرتا ہوں نہ تشہد کا پتا چلتا ہے، نہ درود کا پتا چلتا ہے اور نہ دعا کا پتا چلتا ہے، بس سلام پھیر کر نماز ختم کر لیتے ہیں۔ لیکن اللہ والوں کے لیے اسی طرح علما اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے تو یہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے اعتبار سے عید کا موقع ہوتا ہے۔ لہذا وہ اپنی دعائیں اس وقت مانگ لیتے ہیں۔ بہر حال یہ نماز کی شان ہے لہذا یوں کہہ سکتے ہیں کہ نماز عبدیت حاصل کرنے کی ایک rehearsal ہے جو ہم روزانہ پانچ وقت کرتے ہیں۔ جس میں تمام اعمالِ عبدیت کو جمع کیا گیا ہے، یہ فرشتوں کو بھی دی گئی ہے لیکن جزوی طور پر، کوئی رکوع میں ہے، کوئی سجدے میں ہے، کوئی قیام میں ہے۔ لیکن پوری جامعیت کے ساتھ یہ صرف انسان کو دی گئی ہے جس میں قیام بھی ہے، رکوع بھی ہے، سجدہ بھی ہے اور قرات بھی ہے۔ لہذا انسان اس سے جتنا فائدہ اٹھا سکتا ہے اسے اٹھانا چاہیے۔ اسی لیے حضرت کو نماز سے بڑی محبت تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے تھے "أَرِحْنِيْ يَا بِلَالُ" "اے بلال (اذان کے ذریعے سے) مجھے راحت پہنچاؤ" چنانچہ حضرت نے بھی یہی فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عبدیت کا وہ مقام نصیب فرمائے جس کے لیے ہمیں پیدا کیا گیا ہے۔ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات:۵۶) لہذا انسان کی

زندگی کا مقصد ہی عبدیتِ محض ہے، عبادت ہے۔ گویا نماز عبدیت کا پورا ایک منشور ہے لہذا باقی پوری زندگی اس صفت پہ آنی چاہیے، باقی زندگی میں سارے اعمال نماز نہیں ہیں لیکن تمام اعمال نماز کی صفت پر ہوں تو وہ عبدیت بن جائیں گے، چاہے وہ کسی لیٹرین کو صاف کرنے والا عمل ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ہماری زندگی اس صفت پہ آجائے تو وہ ہمارا عمل بھی دین بن جائے گا، لیکن اس کے لیے ہمیں نماز کی کیفیت حاصل کرنی پڑے گی۔ گویا ایک ہے عبادت اور ایک ہے عبدیت۔ عبادت عبدیت کا اظہار کلی ہے اور باقی زندگی اس کا اظہارِ مقصدی ہے یعنی باقی زندگی میں ہم وہ اعمال کریں جن کے لیے ہمیں پیدا کیا گیا اور اس کے مطابق ہم اپنی زندگی گزاریں۔

متن:

رباعی:

درگہ خلق ہمہ زرق است و فسوس و ہوس
کار درگاه خداوند جہاں دارد و بس

بنده خاص ملک باش کہ با داغ ملک
روز ہا ایمن از شخنہ و شب ہا زعس

مخلوق کی درگاہ تمام دھوکہ فریب اور ہوس کاری۔ خدائے جہاں کے دربار کا کام مفید ہے اور بس بادشاہ کا خاص بندہ اور غلام ہو جا کیونکہ بادشاہ کی غلامی کی نشانی کی وجہ سے دن کے وقت داروغہ سے اور رات کو کوتوال کے دار و گیر سے محفوظ اور امن میں رہو گے۔

تشریح:

اس طرح ہوتا ہے، جیسے جب کسی کو assignment دی جاتی ہے تو اس کو ایک card جاری کر دیا جاتا ہے جسے وہ لٹکا لیتا ہے پھر وہ کسی بھی وقت جہاں بھی جانا چاہے اس کو روکا نہیں جاتا، اس سے سب کو پتا چل جاتا ہے کہ یہ فلاں

ہے، جیسے اگر کوئی خدمت میں ہے تو خدمت والوں کو نہیں روکا جاتا۔ اسی طرح اگر ہم اللہ تعالیٰ کی غلامی کی صفت میں آجائیں تو بات بن جائے گی۔

متن:

بد در مخلوق بودن عمر ضائع کردن است

خاک آن در شو کہ آب بندگانش روشن است

مخلوق کے دروازے پر ہونا اپنی عمر ضائع کرنا ہے اس دروازے کی خاک بن جا کہ اس کے غلاموں کی عزت روشن عیاں اور نمایاں ہے۔ پس حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ اویسی تھا اور ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ مبارک تربیت دے رہا تھا اور اُن کو سارے درجات عالیہ اللہ تعالیٰ کے فضل و عنایت سے حاصل ہو گیے تھے اور جو محبت سعادت وغیرہ ان کو حاصل تھی یہ سب کچھ اُس کا فیض تھا اور یہ قسمتِ ازلی تھی، اور ان کا مریدوں اور احباب قسمت کے ساتھ رابطہ باطنی توجہات کے ذریعے ہوتا تھا۔ فضل ایزدی سے صاحب نظر تھے بہت عرصے تک ارادت یعنی مرید بنانے کا سلسلہ خفیہ رکھتے تھے اور اس کو ظاہر نہیں فرماتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادے سے اس مشک کی خوشبو اور اس عطر کی لپٹیں نسیم صبح کی طرح اللہ تعالیٰ کی لطف اور فضل و کرم کے گلزار سے ظاہر و عیاں ہو گئیں تو بہت عرصے کے لیے جو کوئی بھی حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت اور ملاقات کو آتا تھا۔ ان کو کھانا وغیرہ نہیں کھلاتے۔

تشریح:

یہ بڑا عجیب واقعہ ہے، کیونکہ بزرگوں کے ہاں ایسے کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے جو حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہوا ہے کہ لمبے عرصے تک یہ معمول تھا کہ جو بھی حضرت شیخ کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے آتا تھا اس کو کھانا وغیرہ نہیں کھلاتے تھے۔

متن:

تاکہ یہ لوگ منع ہو جائیں اور کھانا وغیرہ نہ ملنے کی وجہ سے لوگ زیارت کو نہ آئیں۔ مگر زائرین اپنے ساتھ خود کھانے کا سامان لاتے اور دیہاتی لوگ کھانا

پکاتے تھے۔ اس کے بعد حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حکم کیا کہ جو لوگ ان کے پڑوس میں تھے اور ان کے نزدیک قرب و جوار میں رہتے تھے۔ ان کو فرمایا کہ زائرین کے لیے ان کے لائے ہوئے سامان خوراک سے کھانا نہ پکائیں۔

تاکہ لوگوں کی کثرت اور ہجوم نہ ہو مگر زائرین اس پر بھی کم نہ ہوئے بلکہ وہ اشیائے خوراک کے ساتھ پکانے کا سامان دیگ وغیرہ بھی لانے لگے۔ اور اپنے ساتھ لایا ہوا سامان خود پکاتے اس پر حضرت صاحب نے حکم فرمایا کہ ان کے دیگ وغیرہ توڑ دیئے جائیں مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ لوگ آتے رہے اور بھوکے رہتے اور آنے سے منع نہ ہوئے اور نہ کم ہوئے لوگ تسلسل سے متواتر آتے رہتے جب اس حالت میں کچھ عرصہ گزر گیا تو حضرت شیخ صاحب نے فرمایا کہ میری تو خواہش تھی کہ اپنے آپ سے لوگوں کا ہجوم باز رکھوں لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کو میرے پیچھے لگا رکھا ہے اب نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا اور اس کا کوئی مداوا نہیں اس کے بعد اجازت فرمائی کہ جو کوئی چاہتا ہو ان زائرین کی خدمت کرے اور خود بھی گاہ گاہے کچھ کھانے کی چیزیں عنایت فرماتے، حضرت صاحب کے بعض مخلص مریدوں کی ایسی حالت ہو گئی کہ ان کو کھانا کھانے کی بھی حاجت نہیں تھی۔ اور بعض بہت کھانا کھاتے اور کبھی بالکل نہیں کھاتے تھے۔

تشریح:

یہ مجاہدے کی قسمیں ہیں جو غالباً حضرت سے آئی ہیں، بہت کم حضرات کے ہاں یہ چیز ملے گی کہ بہت کھانا اور پھر اس کے بعد نہ کھانا۔

متن:

ہر حال میں کھانے اور نہ کھانے کی شکل میں اپنے نفس کی مخالفت کرتے اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ صاحب جب کبھی بزرگوں کی تعریف فرماتے تو اپنے والد محترم حضرت شیخ بہادر صاحب کی بہت تعریف فرماتے اور ان کے قبور کی زیارت کو اکثر تشریف لے جاتے اور مزار پر حاضری دیتے، میں نے ان کی زبانی تو کوئی بات نہیں سنی لیکن جب حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ ادب کرتے اور تعریف فرماتے نیز ان کے مزار پر کثرت سے حاضری دینے کی

وجہ سے میرا دل گواہی دیتا ہے کہ طریقہ سہروردی میں اپنے والد صاحب کے ساتھ بھی نسبت رکھتے ہیں۔

تشریح:

یعنی حضرت نے بھی اندازے سے فرمایا ہے، کیونکہ خود حضرت نے اس کے بارے میں کچھ ذکر نہیں فرمایا، لیکن یہ عمل سے ظاہر ہو گیا۔

متن:

ان کے واضح قول و بیان سے اُن کا طریقہ اویسی معلوم ہوتا ہے اور حضرت شیخ صاحب یہ طریقہ اویسی ہر کسی کو بیان یا ظاہر نہ فرماتے۔

تشریح:

اس حوالے سے لوگ بہت جلدی دھوکے میں آجاتے ہیں۔ دراصل طریقہ اویسیہ یا سلسہ اویسیہ قطعاً کوئی چیز نہیں ہے، البتہ نسبتِ اویسی پہلے سے چلی آرہی ہے، اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے اب تک۔ یہی بنیادی فرق ہے جس کو نہ جاننے کی وجہ سے بعض لوگ دھوکے میں آجاتے ہیں۔ سلسلہ اویسیہ کس کو کہتے ہیں؟ وہ یہ ہے کہ اویسی نسبت جس کو حاصل ہو وہ وہی چیز آگے اسی اویسی نسبت کے مطابق دے دے تو یہ سلسلہ بن جائے گا۔ جب کہ اویسی نسبت کو سلسلے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیوں اس میں سب کچھ براہِ راست ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک ہوتا ہے conduction اور ایک ہوتا ہے radiation۔ چنانچہ conduction, point to point ہوتی ہے ذرہ ذرہ کے ساتھ۔ اور radiation براہ راست ہوتی ہے۔ لہذا جب کسی کے لیے radiation ہو سکتی ہو تو conduction کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو ہر جگہ اس چیز کو پہنچا دے گا۔ اسی طرح اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے کوئی استفادہ کر سکتا ہے تو اس کے لیے سلسلے کی کیا ضرورت ہے؟ بلکہ وہ براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ فرما لیتا ہے اور دوسرا بھی اسی طرح کر سکتا ہے، دوسرے کو بھی اگر اویسی نسبت حاصل ہو تو وہ بھی وہی کرے گا، لہذا اس کے لیے کسی سلسلے میں آنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ اس سے واضح ہوا کہ اویسی نسبت موجود ہے لیکن اویسی سلسلہ کوئی چیز نہیں ہے، یہ بنیادی بات ہے۔ آپ اس کو سمجھیے کہ جیسے حدیث شریف کا سلسلہ منفرد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کا خواب میں تشریف لانا بھی حقیقت ہے، اور حدیث شریف میں اس کی باقاعدہ سند دی گئی ہے کہ جو آپ ﷺ کو خواب میں دیکھے تو وہ آپ ﷺ ہی ہوتے ہیں شیطان آپ ﷺ کے شکل مبارک میں نہیں آ سکتا۔ لہذا خواب میں یہ بات قطعی ہوئی کہ خواب میں آپ ﷺ ہی ہوتے ہیں، لیکن اگر آپ ﷺ نے کسی کے خواب میں کوئی بات ارشاد فرمائی ہو تو کیا اس کو ہم حدیث کہہ سکتے ہیں؟ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس کے لیے لازم ہے کہ ایک راوی سے دوسرے راوی تک باقاعدہ سند متصل چلی آ رہی ہو، درمیان میں کوئی راوی بھی miss ہو جائے تو وہ صحیح حدیث نہیں رہے گی بلکہ ضعیف رہ جائے گی اور صحیح کی طرح قابل عمل نہیں رہے گی۔ لہذا چاہے آپ کو یقین ہو کہ خواب آپ ﷺ ہی نے فرمایا ہے مگر نہ تو اسے حدیث کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی اس سے فقہ کا کوئی حکم ثابت ہو گا۔ البتہ خواب فضائل میں قابل قبول ہو سکتا ہے، جیسے ضعیف حدیث فضائل کے بارے میں قابلِ عمل ہوتی ہے لیکن فقہ میں استعمال نہیں ہو سکتی، کیونکہ فقہ میں کشف اور خوابوں کا حصہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نظام کو شفافیت کے ساتھ مشرف فرمایا ہے اگر یہ خوابوں اور کشفوں پہ چلے تو شفافیت نہیں رہے گی۔ لہذا جو چیزیں فقہ کے ذریعے سے ثابت ہوں یا سنداً ثابت ہوں ان کے اندر قوت ان چیزوں (کشف وغیرہ) کے ذریعے سے آ سکتی ہے۔ اس لیے کہتے ہیں جن کو کشفِ قبور حاصل ہو اور وہ صاحبِ نسبت ہوں تو وہ کسبِ فیض کر سکتے ہیں اور اس سے ان کی نسبت قوی ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ صاحبِ نسبت ہی نہیں تو وہ فیض حاصل نہیں کر سکتے، لہذا پہلے نسبت حاصل کرنی ہوتی ہے پھر یہ چیزیں حاصل ہو سکتی ہیں، اگر نسبت ہی حاصل نہ ہو تو کشف قبور سے استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بہت ہی اہم بات ہے جس کو لوگ نہیں سمجھتے۔ اب حالت یہ ہے کہ عوام بھی قبور پر آ کر طواف کرنا شروع کر دیں گے اور سمجھیں گے کہ ہمیں قبر سے فائدہ ہو گا۔ حالانکہ عوام کے لیے یہ چیز نہیں ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کسی قبر پر گیے، ان کے ساتھ 2 طالب علم بھی تھے، حضرت تو بڑے صاحبِ کشف تھے اور

صاحبِ نسبت بھی تھے، حضرت جب قبر پہ مراقب ہوئے تو وہ طالب علم بھی مراقب ہو گیے، تو فرماتے ہیں میں نے ان کو دو لگائیں کہ وہ آنکھیں تو تمہاری بند ہیں یہ آنکھیں کیوں بند کر لیں؟ یعنی نسبت بھی تمہیں حاصل نہیں ہے کہ ادھر سے فیض حاصل کر سکو تو خواہ مخواہ آنکھیں کیوں بند کر دیں؟ یہ دکھانے کے لیے کہ میں بھی کچھ حاصل کر رہا ہوں؟ لہذا حضرت نے اس بات کا اظہار فرما دیا کہ تیری وہاں کی آنکھ نہیں ہے (یعنی باطنی آنکھ، جس کے ذریعے وہی کچھ دیکھنے لگو جو حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیکھ رہے ہیں)

مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ حضرت! یا رسول اللہ کہنے کی اجازت ہے؟ فرمایا کس کے لیے؟ انہوں نے کہا: میرے لیے۔ فرمایا: نہیں۔ وہ حیران ہو گیے، پھر پوچھا کیا آپ کے لیے؟ فرمایا میرے لیے جائز ہے تو وہ حیران ہو گیے کہ آپ کے لیے جائز ہے میرے لیے جائز نہیں کیا مطلب؟ فرمایا: تم تصور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادھر لاتے ہو اور میں تصور میں ادھر پہنچ جاتا ہوں۔ لہذا میرے لیے جائز ہے تمہارے لیے جائز نہیں ہے۔ چنانچہ صاحب نسبت حضرات کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ جہاں پہنچنا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو وہاں پہنچا دیتا ہے۔ یہی اصل میں بنیادی بات ہے جسے لوگ نہیں سمجھتے کہ اویسی سلسلہ بھی چلا آ رہا ہے۔ حالانکہ اویسی سلسلہ ہے ہی نہیں، جیسا کہ فقہ میں خواب قابلِ بحث نہیں ہے اس طرح طریقت میں اویسی سلسلہ زیر بحث نہیں ہے۔ البتہ اویسی نسبت موجود ہے اور کمال کی بات یہ ہے کہ جس کو یہ نسبت حاصل ہے وہ اس کا اظہار بھی نہیں کرتا۔ جیسا کہ حضرت نہیں کیا کرتے تھے، ہم یہ بات کر رہے ہیں لیکن حضرت نے کبھی ظاہر نہیں کیا کہ میری اویسی نسبت ہے کیونکہ بعض اوقات کوئی چیز راز ہوتی ہے جسے ظاہر نہیں کیا جاتا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ ہے کہ وہ صاحب دوستی کے قابل نہیں ہے جو دوست کے راز کو راز نہ رکھ سکتا ہو۔ لہذا اویسی نسبت بھی ایک راز ہوتا ہے جو بیان کرنے کا نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ شعر ہے:

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین خبر نیست

"عاشق و معشوق کے درمیان تو ایک ایسا رمز ہوتا ہے جس کا کراماً کاتبین کو بھی پتا نہیں ہوتا" لہذا اگر کوئی ایسا اللہ والا ہو جسے اویسی تعلق ہو تو وہ لیتا رہے گا لیکن بتاتا نہیں رہے گا۔ اس لیے جس نے اپنے آپ کو اویسی سلسلہ کہہ دیا اس نے تو سارا کچھ ضائع کر دیا کیونکہ جو بیان نہیں کرنا تھا وہ بھی بیان کر دیا اور جو غیر واقعی تھا وہ بھی ساتھ شامل کر دیا۔ حالانکہ حقیقت میں یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ہمارے حضرت نے اس کے متعلق فرمایا کہ پکھنڈ بنایا ہوا ہے۔ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایسے لوگوں کی ڈٹ کے مخالفت کرتے تھے۔ ان دنوں یہ فتنہ نیا نیا آیا تھا، جب حضرت کو پتا چلا تو حضرت نے سختی کے ساتھ اس کی تردید فرمائی تھی۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست بیعت کروانا اور اس طرح کی تمام چیزیں انہوں نے مشہور کی تھیں تو حضرت نے سختی کے ساتھ اس کا رد فرمایا کہ یہ کیا پکھنڈ بنایا ہوا ہے۔ حضرت نے ہمیں سمجھانے کے لیے وہی مثالیں دی تھیں۔ بہرحال حضرت کاکا رحمۃ اللہ علیہ اویسی نسبت کے تھے۔ آگے یہی بات آ رہی ہے۔

متن:

حضرت شیخ صاحب یہ طریقہ اویسی ہر کسی کو بیان یا ظاہر نہ فرماتے اور اس کے بارے میں کچھ نہ فرماتے اس کی علت غائی یہ ہے کہ یہ اسرار میں سے ہے اور اسرار کا چھپانا بہت اچھی بات ہے ایک بار حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد محترم کے مزار کو بہت سے لوگوں سمیت تشریف لے جا رہے تھے حضرت صاحب کے والد محترم حضرت شیخ بہادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ قطب عالم کے مرتبے پہ فائز تھے حضرت شیخ صاحب نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا کہ ہر شخص راستے پر چلتے ہوئے یہ دعا کرے کہ اللہ تو اُن کی سر بلندی فرما یعنی درجات بلند فرما کیونکہ آپ کی سر بلندی اور بلندی درجات ہماری سر بلندی ہے

تشریح:

یعنی اپنے والد صاحب کے لیے دعا کی تھی۔

متن:

اور جب مذکورہ مزار شریف کے قریب پہنچ گیے تو تمام لوگوں کو ایک

وادی میں روکے رکھا اور ہر شخص کو ایک بلند مقام پر تعینات فرمایا کہ جس کسی پر نظر پڑے کہ وہ اس طرف آرہا ہے اُس کو آنے سے منع کیا جائے۔

تشریح:

یہ وہی اویسی سلسلے والی بات ہے۔

متن:

اور اُن کو کہا جائے کہ یہاں سے واپس چلیں جائیں تھوڑی دیر بعد اُس تمام مجمع اور گروہ جس کو منع کیا گیا تھا طلب فرمایا اور حضرت شیخ بہادر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر تشریف لے گیے لوگوں نے ایک ایسے شخص سے جو کہ بلندی پر تعینات کیا گیا تھا اُن حالات اور حقیقت کے بارے میں پوچھا اُس نے بیان کیا کہ حضرت صاحب ننگے سر مذکورہ قبر کے پائنتی کھڑے تھے اور یہ بات حکمت سے خالی نہ تھی کہ اس سے قبل یا بعد آپ کو اس طرح کرتے نہیں دیکھا گیا بہرحال جب آپ اپنے والد محترم قطبِ عالم شیخ بہادر صاحب کا اسم گرامی یاد فرماتے تو نہایت ادب و احترام سے یاد فرماتے اور ان کو (ریشتنے) راست گو کے نام سے یاد فرماتے۔ پس اے میرے پیارے یہ بات جان لے کہ اولیاء اللہ تین نوع کے ہوتے ہیں بعض کو تو ولایت حاصل ہوتی ہے سرایت نہیں ہوتی کہ دوسروں پر اثر کر لے اور بعض کی ولایت اور دوسروں پر اثر اندازی کی خاصیت ہوتی ہے لیکن اثر کا یہ نفوذ ان کے عین حیات میں ہوتا ہے ان کے وفات کے بعد یہ تاثر منقطع ہو جاتا ہے اور ایسے ولی کو کامل کہتے ہیں اور بعض ولایت بھی رکھتے ہیں اور سرایت و اثر اندازی کی اہلیت بھی رکھتے ہیں زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی ان کی تاثیر جاری رہتی ہے اور ان کے اثر کا یہ نفوذ غیر منقطع ہوتا ہے ان کو مکمّل کہتے ہیں اور اس زمانے میں یہ مرتبہ بایزید بسطامی کو حاصل تھا ان کے یعنی شیخ صاحب کے دوران حیات بہت سارے لوگوں نے ان کے جام و ساغر سے شراب محبت نوش کی تھی۔ اور ان کی معرفت کے درخت کا میوہ کھایا تھا اس کے علاوہ تین ہزار تین سو تین (3303) غلاموں کو آزاد کر کے حضرت صاحب نے کمال جمال بے مثال تک پہنچایا تھا اور جو لوگ حضرت شیخ صاحب کے ہاتھوں فیض یاب ہو گیے تھے اُن میں سے اکثر بنگش کُرم ٹل اور

مروت کے علاقوں میں سکونت پذیر ہیں یا وہاں دفن ہو چکے ہیں ان میں سے بعض کی شہرت ہو چکی ہے اور ان کے مزارات معروف و مشہور ہیں اور بعض ابھی تک مخفی و مستور ہیں اور جو فیض کہ ان کو حاصل ہوا ہے تو بعض کو نگاہ کی تاثیر سے حاصل ہے بعض کو مجلس کے اثر سے اور بعض کو نیند کی حالت میں اور بعض کو کم کھانے اور فاقہ کشی کے ذریعے حاصل ہے اور بعض مخلصوں کو غیبی شکل میں کہ اگرچہ وہ دور دراز کے علاقوں مثلاً ہندوستان وغیرہ میں ہوتے تو حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی باطنی توجہ سے ان کو فیض پہنچتا اور وہ اس فیض سے مستفید ہو جاتے اور ان کو فائدہ پہنچتا اور ان کی وفات کے بعد بھی بہت سے لوگوں نے ان سے فیض حاصل کیا ہے اور فیض پا رہے ہیں بعض کو خواب میں بعض کو مزار کے حاضری کے وقت اور بعض کو نیند میں بھی اور حضور میں بھی فیض حاصل کرتے رہے ہیں اس مناقب کی کتاب کا جمع کرنے والا فقیر (شیخ عبد الحلیم صاحب) کو بھی روضۂ مبارک سے فیض حاصل ہوا ہے۔

تشریح:

چونکہ شیخ عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیادہ تر ہندوستان میں رہے ہیں کیونکہ وہاں حصولِ علم کے لیے گئے تھے، جب واپس آئے تو حضرت کی وفات ہو چکی تھی تو پھر اس طریقے سے کسب فیض کیا۔

متن:

اور اکثر اوقات مزار اقدس پر حاضری کے وقت انواع واقسام کے فیوضات حاصل ہوئے ہیں اور جو کچھ کہ دیکھا ہے میرے دل نے دیکھا ہے اور جو کچھ سنا ہے وہ میرے کانوں نے سنا ہے اور اس کا لُطف وہ جانتے ہیں یہ اشارہ اس کے بیان کے لیے کافی ہے اس سلسلے میں زیادہ باتیں کرنا بھی خلاف ادب ہے۔

تشریح:

حضرت کا یہ انداز بڑا عجیب تھا۔ بہر حال اللہ تعالی کا ایک نظام با قاعدہ ہوتا ہے جو عموماً چلتا ہے اور ایک دوسرا نظام بھی ہے جو خاص حالات کو ظاہر کرنے کے لیے ہے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس کے علاوہ کچھ ہو نہیں سکتا۔ اگرچہ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں لیکن ظاہر ہو جاتے ہیں اور وہ سارا نظام بھی ان

کے ذریعے سے ظاہر کروا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ انہیں کے قبیل سے ہیں جن کے ذریعے سے اللہ پاک نے بعض چیزوں سے پردہ اٹھایا ہے لیکن ہم لوگوں کو حضرت سے جو لینا ہے وہ عبدیت ہے جو حضرت کا خاص ممتاز وصف تھا اور شریعت پر حتمی عمل لینا ہے۔ باقی ہر ایک شخص کی قسمت ہے چاہے اسے باقاعدہ طریقے سے نوازا جائے یا بے قاعدہ طریقے سے، یہی عبدیت ہے۔ بہر حال جس طریقے سے بھی اسے نوازا جائے اس پر وہ صاد کرلے۔ جیسے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے طریق کو طریقِ نامسلوک قرار دیا ہے یعنی یہ عام طریقہ نہیں ہے۔ لہذا بعض طریقے نامسلوک بھی ہوتے ہیں جو خاص خاص لوگوں پہ ظاہر کیے جاتے ہیں اور ان بزرگوں کے درمیان بہت اچھا تعلق بھی رہا ہے، اسی لیے یہ ایک ہی چیز ہے اور شاید اسی کی برکت ہے کہ "حقیقتِ جذب و سلوک" لکھنے کے فوراً بعد حضرت کی کتاب کی تعلیم کی توفیق ہوئی، اس سے پورا اندازہ ہوتا ہے کہ آپس میں کوئی ربط ضرور موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سب بزرگوں کے فیوض و برکات سے زیادہ سے زیادہ حصہ نصیب فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن۔

شمسی ہجری کیلنڈر اور امت مسلمہ کے لئے اس کی ضرورت

1990ء میں اسلام آباد میں ایک رویتِ ہلال کانفرنس ہوئی تھی۔ جس میں راقم بھی بحیثیت ایک مندوب شریک تھا۔ اس کانفرنس کے روح رواں یونیورسٹی آف سائنس پنیانگ (ملائیشیا) کے ڈاکٹر محمد الیاس تھے۔ انہوں نے اپنا مقالہ پڑھا اور دوسرے شرکاء نے بھی اپنے مقالے پڑھے۔ ان مقالات میں امتِ مسلمہ کے لئے ایک قمری کیلنڈر تیار کرنے پر زور دیا گیا۔ اس ضمن میں ان مشکلات کا بھی ذکر کیا گیا جو اس کی تیاری میں پیش آسکتی ہیں۔ راقم کے ایک عزیز دوست ملٹری انجینئرنگ سروسز کے چیف انجینئر ملک بشیر احمد بگوی صاحب جن کے فقہی مقاصد کے لئے حسابات کے استعمال کی کوششوں سے اب لوگ نا واقف نہیں ہیں، انہوں نے بھی اپنا مقالہ پیش کیا۔ اس موقع پر انہوں نے اپنا تیار کردہ مکہ ہجری کیلنڈر بھی مندوبین کو دکھایا۔ اس کیلنڈر میں انھوں نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ مکہ مکرمہ کے افق پر مغرب کے وقت چاند کا موجود ہونا جس دن مہینے میں پہلی دفعہ ثابت ہو جائے تو اس کا اگلا دن آنے والے مہینے کی یکم قرار پائے۔ اس طرح ہر مقالہ نگار نے امت مسلمہ کے لئے قمری کیلنڈر کی ضرورت پر زور دیا۔ فاضل مقالہ نگاروں نے اپنے اپنے موقف بڑے اچھے انداز میں پیش کئے۔ اور راقم نے ان سے بھرپور استفادہ کیا۔ اسی طرح ماہنامہ "بینات" (کراچی) کے ربیع الثانی 1402ھ کے شمارے میں محقق عالم عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون "مروجہ سن عیسوی میں کیا کیا اصطلاحیں ہوئیں" بھی راقم کے لئے اس موضوع پر معلومات کا خزینہ ثابت ہوا۔ اس مضمون سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ موجودہ عیسوی کیلنڈر اگرچہ شمسی کیلنڈر کے فائدے لئے ہوئے ہے لیکن ایک غیرت مند مسلمان کے لئے ایک ایسے کیلنڈر کا استعمال ذہنی اذیت کا باعث بنتا ہے جس میں مہینوں کے نام دیوی دیوتاؤں اور ڈکٹیٹروں کے ناموں پر رکھے گئے ہوں۔ اس کے علاوہ شاہ اگسٹس نے اس میں جو غیر منطقی تصرف کیا ہے، وہ بھی باعثِ شرم ہے۔ عیسائی دنیا کے ہاں چونکہ اپنی مذہبی تعلیمات کو محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں اس لئے وہ صدیوں تک اپنے

مقدس دنوں، عیدوں، تہواروں اور روزوں کے صحیح تعین کے بغیر ہی مطمئن رہے۔ لیکن امت مسلمہ سے تو یہ توقع ہر گز نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے مذہبی ایام سے من حیث القوم غافل ہو جائیں اور یہی وہ چیز ہے جس کے لئے امت مسلمہ پر قمری مہینوں کا مکمل حساب رکھنا لازمی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قمری مہینوں کا فیصلہ حساب پر کیا جائے کیونکہ وہ تو رویت پر منحصر ہے، ہاں مسلمانوں پر بحیثیت مجموعی قمری مہینوں کے تعین کے لئے رویت ہلال اور اس کے ذریعے معلوم شدہ تاریخوں کو یاد رکھنے کا اہتمام لازمی ہے۔

ایک چیز کا یہاں ذکر کرنا مفید ہو گا کہ قمری ہجری کیلینڈر کی تیاری میں مصروف حضرات نے عام طور پر اس کا خیال نہیں رکھا کہ قمری ہجری کیلینڈر اگر ہمارے روزے، عید اور حج کی تاریخوں کا تعین کرتا ہے تو نمازوں کے اوقات کے لئے کسی شمسی کیلینڈر کا استعمال ہماری مجبوری بن گیا ہے۔ اسی طرح وہ قمری ہجری کیلینڈر کی تیاری میں اپنے حسابات کو بہتر کرنے کی کوشش میں اتنے آگے چلے گئے ہیں کہ ان کو قمری ہجری کیلینڈر کے اصل مزاج کا بھی اندازہ نہ ہو سکا۔ احقر کے نزدیک قمری ہجری کیلینڈر کے اجراء کا صرف ایک مقصد تھا کہ خطوط میں ان تاریخوں کی مدد سے یہ پتہ چلے کہ کون سا خط کب لکھا گیا تھا یا اس کے ذریعے کسی واقعے کے وقوع پذیر ہونے کے وقت کا تعین کیا جا سکے۔ گویا کہ اس کیلینڈر کا تعلق ماضی اور حال کے ساتھ ہے، مستقبل کے ساتھ اس کا تعلق صرف اتنا ہے کہ ان مہینوں کی یکم کا تعین ہو سکے، جن کے ساتھ ہماری عبادات وابستہ ہیں۔ مہینوں کی یکم کا رویت کے ذریعے تعین اس کیلینڈر سے پہلے بھی تھا البتہ شہورِ حرم کو آگے پیچھے کرنے کی جو بدعت عربوں میں رائج ہوئی تھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ختم فرما دی۔

اس تمہید سے پتہ چلا کہ قمری مہینوں کی یکم کا تعین فقط رویت کے ذریعے کرنا شریعتِ مقدسہ کی منشاء کے عین مطابق ہے۔ اور ہر ایسی کوشش کا بر وقت سدِّ باب کرنا فرض کفایہ ہے جس سے ان کا تعین حساب کے ذریعے کیا جانا طے پائے۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم قمری ہجری کیلینڈر کو صرف ماضی اور حال کے لئے استعمال کریں اور ان کی یکم کا تعین صرف اور صرف رویت

کے ذریعے کریں۔ شریعت سے ناواقف بعض حضرات اخلاص کے ساتھ ایک ایسے قمری ہجری کیلینڈر کی تلاش میں ہیں جس میں مہینے کی یکم کا تعین حساب کی مدد سے ہو سکے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس کیلینڈر کے ساتھ ہم اپنے اسلامی تشخص کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ اور اس کے لئے وہ ایک ایسا باوقار فارمولا وضع کرنا چاہتے ہیں جس کی مدد سے ایسا قمری ہجری کیلینڈر تیار ہو سکے جس کا مشاہدے کے نتائج سے فرق کم سے کم ہو۔ بلا شبہ اپنے اسلامی تشخص کی بقا کا خیال رکھنا ایک انتہائی صالح جذبہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ قمری ہجری مہینوں پر ہماری عبادات کا انحصار ہے اور ان کے تعین کے لئے معیار صرف اور صرف مشاہدہ ہے پس اگر ایک قاضی سے غلطی بھی ہو جائے یعنی کوئی جھوٹی شہادت دے کر یا رویت میں غلطی کر کے قاضی صاحب سے چاند کے نظر آنے کا فتویٰ صادر کروائے تو لوگوں کی عبادت میں کوئی خلل واقع نہ ہو گا اور قاضی صاحب کا بھی کوئی قصور نہ ہو گا، بشرطیکہ وہ شہادت کو پرکھنے کے لئے اپنے بہترین وسائل استعمال کر چکے ہوں۔ اس کے برعکس اگر کوئی شرعی شہادت کے بغیر فقط حساب پر چاند کے نظر آنے کا فیصلہ کر دے تو چاہے اس کا فیصلہ بالکل حقیقت کے مطابق ہو یعنی چاند اس دن نظر آ سکتا ہو، تب بھی یہ فیصلہ شرعی طور پر نافذ نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس کی تصدیق شرعی شہادت نہ کرے۔ لہٰذا شرعی شہادت کے بغیر فقط حساب پر چاند کی تاریخ کا فیصلہ کرنے والے تمام لوگ گنہگار ہوں گے۔ یہ حضرات اپنے اجلاسوں میں ظاہر فرماتے رہے ہیں کہ عبادات تو رویت پر ہوں گی اور قمری ہجری کیلینڈر صرف انتظامی امور کے لئے استعمال کیا جائے گا۔یہاں تک تو بات ٹھیک تھی لیکن خطرہ تو اس وقت شروع ہوا کہ ان حضرات نے عندیہ ظاہر فرمایا کہ چاند کا دیکھنا اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک کوئی حساب کا قابل اعتبار معیار طے نہیں پا جاتا۔ بظاہر یہ بات بالکل بے ضرر لگتی ہے لیکن دیکھا جائے تو ان حضرات کے نزدیک ایسا قابل اعتبار معیار آئندہ کسی وقت حاصل کرنا ممکن ہے، جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔کیونکہ کسی دن چاند کے نظر آنے کی تمام شرائط پوری بھی ہوں لیکن اس کے سامنے بادل آ جائیں تو چاند نظر نہیں آئے

گا، اس لئے حساب کی بنیاد پر شریعت کے مطابق چاند کے نظر آنے کا فیصلہ کرنا ناممکن ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ قمری ہجری کیلینڈر کا ایک مہینے سے زیادہ مستقبل کے لئے استعمال خطرے سے خالی نہیں۔ احقر کا اس سے ہر گز یہ مطلب نہیں کہ رویت ہلال میں جدید سائنس کا استعمال نہیں ہو سکتا۔ اس موضوع پر احقر نے ایک مقالہ "رویت ہلال اور جدید سائنسی تحقیقات" لکھا ہے۔ اس سے احقر کا اس بارے میں نقطہ نظر معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اس مقالے میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ چاند کے دیکھنے میں اور اس کے بارے میں شہادت کو پرکھنے میں نیز مطالع کے تعین میں سائنس کیا خدمت کر سکتی ہے۔ مستقبل کے کاموں کے لئے اور ان عبادات کے اوقات کے تعین کے لئے جن کا دار و مدار فلکی حسابات پر ہو، شمسی کیلینڈر ہی کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نمازوں کے اوقات اور سحری و افطاری کے اوقات کے نقشے جن حضرات نے بنائے ہیں، جن میں علماء کرام بھی شامل ہیں انھوں نے ان کے لئے صرف وہی کیلینڈر استعمال کئے ہیں جو شمسی تھے مثلاً موجودہ عیسوی کیلینڈر اور بکرمی شمسی کیلینڈر وغیرہ، کیونکہ شمسی کیلینڈر کا تعلق سورج کے گرد زمین کی حرکت سے ہے۔ اور اس میں کوئی شرعی قباحت بھی نہیں ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر "معارف القرآن" میں اس پر کافی بحث کی ہے۔ جس شمسی کیلینڈر میں زمین کی سورج کے گرد حرکت کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہو تو وہ ہر سال کے اس موسم میں اسی دن آئے گا۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو موسم کے تعین میں فرق پڑ سکتا ہے اور اسی پر نمازوں کے اوقات بھی قیاس کئے جا سکتے ہیں۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ شمسی تقویم کی یہ افادیت ہے کہ اس کو ماضی، حال اور مستقبل تینوں کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، نیز نمازوں، سحری و افطاری کے اوقات کے حسابات کے لئے بھی اور عبادات کے لئے تمام انتظامی امور کے لئے اس کا استعمال مفید ہو سکتا ہے، تو امت مسلمہ اگر اپنے تشخص کے لئے اپنا شمسی ہجری کیلینڈر وضع کرے اور قمری مہینوں کا صرف مشاہدوں پر فیصلہ کرے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہو گی۔ اس طرح عبادات کے لئے تو بالکل شریعت کے مطابق مشاہدات پر فیصلہ

ہو گا اور بقیہ انتظامی امور مجوزہ شمسی کیلینڈر کے مطابق طے پائیں گے۔ امت مسلمہ کا اپنا شمسی کیلینڈر نہ ہونے کی وجہ سے مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے علماء کرام اور مسلمان ماہرین فلکیات اغیار کے بنائے ہوئے کیلینڈروں کے استعمال پر مجبور تھے۔ احقر نے جب حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مقالہ پڑھا تو سر شرم سے جھک گیا اور اسی وقت سے ایک اسلامی شمسی کیلینڈر کی تیاری کے لئے علماء کرام سے مشورے شروع کر دیئے۔ حضرت مفتی مختار الدین شاہ صاحب مد ظلہ کے جذبات تو احقر کی کتاب "کشف ہلال" پر ان کی تقریظ سے ظاہر ہیں۔ انٹرنیشنل اسلامک مشن کے سربراہ حضرت مولانا عبد الحفیظ مکی صاحب نے بھی مفید مشوروں سے نوازا اور اس کو مفید کوشش ٹھہرایا۔ احقر کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس میں ضروری اصلاح کی۔ الحمد للہ علماء کرام کی سرپرستی کی برکت سے جلد ہی اس کی ایک ہیئت سامنے آگئی۔ جس کو اس مقالے میں علماء کرام اور ماہرین فن کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ علماء کرام اور ماہرین فلکیات اس کام کے بارے میں رہنمائی کرنے سے دریغ نہیں فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سارے کام کو فقط اپنی رضا کے لئے قبول فرمائے۔ اور ہمیں اپنے دین متین کے لئے دن رات کام کرنے کی قبولیت کے ساتھ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مجوزہ شمسی کیلینڈر میں بھی مہینوں کی تعداد بارہ ہو گی۔ ان کے نمبر، ناموں اور دنوں کی تعداد کے لئے مندرجہ ذیل جدول ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

موجودہ ہجری کیلینڈر کو قمری ہجری کیلینڈر کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔ جبکہ مجوزہ اسلامی ہجری کیلینڈر کو شمسی ہجری کیلینڈر کہا جائے گا۔ کیونکہ اس کی ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبا میں داخلے کے دن یعنی پیر آٹھ ربیع الاول سے کی گئی ہے۔ اور یہی وہ واقعہ ہے جس کے بعد اسلام تمام ادیان پر غالب ہوا۔ اس دن سورج اپنے مرکزی خط یعنی خطِ استوا کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں سے پورے عالم پر آفتاب کی روشنی یکساں انداز سے پڑ رہی ہوتی ہے۔ اور ادھر آفتاب ہدایت اپنے اس مستقر تک پہنچ رہے تھے جس کا اس وقت تو نام یثرب تھا لیکن جس کو بہت جلد اس زمین پر ہدایت کے آخری نظام کا مرکزی مقام بننا تھا

اور اس کو بہت جلد مدینۃ النبی کہلوانا منظور تھا۔ ان تکوینی قران السعدین لمحات کو یادگار بنانے کو ہر مسلمان کا دل چاہتا ہو گا اس لئے ہر مؤرخ نے اس تاریخ کو خصوصیت کے ساتھ نوٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔ بقول علامہ شبلی نعمانی:
"قبا میں آپ ﷺ کا داخلہ اسلام کے دور خاص کی ابتداء ہے۔ اس لئے مورخین نے اس تاریخ کو زیادہ اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔ اکثر مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ آٹھ ربیع الاول 13 نبوی بمطابق 20 ستمبر 622 عیسوی تھی" (جدید عیسوی تقویم کے مطابق یہ تاریخ 23 ستمبر بنتی ہے)۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس یادگار تقویم کی ابتدا اسی یادگار دن سے ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اس کیلینڈر کو مسلمانوں کے قلوب کو اپنے مرکز پر جمع کرنے کا ذریعہ بھی بنائے۔ **آمین۔ یا اللہ العٰلمین۔**

اس تقویم میں ابتدائی چھ مہینوں میں ہر ایک مہینہ 30 دن کا ہو گا لیکن اس کے بعد پانچ مہینے مسلسل 31 دن کے ہوں گے جبکہ آخری مہینہ عام طور پر 30 دن کا ہو گا لیکن خاص یعنی لیپ سال میں 31 دن کا ہو جائے گا۔ ان مہینوں کے ترتیب وار نام حراء، معراج، ہجرۃ، قباء، بدر، احد، احزاب، رضوان، خیبر، فتح، حنین اور تبوک تجویز کئے گئے ہیں جن میں سے ہر ایک کی اپنی ایک تاریخی اہمیت ہے۔ اس تقویم میں عام طور پر آخری مہینہ تبوک (جیسا کہ ابھی اوپر بتایا گیا) 30 دن کا ہو گا، لیکن خاص سال (leap year) میں 31 دن کا ہو گا۔ خاص سال سے مراد وہ سال ہے جو چار پر پورا پورا تقسیم ہو سکے۔ اور جو سال چار پر پورا پورا تقسیم تو ہو سکے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ 100 پر بھی پورا پورا تقسیم ہو سکے، خاص سال شمار نہیں ہو گا۔ لیکن اگر یہی سال 400 پر بھی تقسیم ہو تو اسے خاص سال ہی شمار کیا جائے گا۔

یہ سب اہتمام اس لئے ہے کہ زمین سورج کے گرد 365.24219878 دن میں ایک چکر پورا کرتی ہے۔ اور اس کسر کو پورا کرنے کے لئے باقاعدہ وقفوں کے ساتھ خاص سال کا لانا ضروری ہے۔ ورنہ ہر سال کسی معین دن سورج ایک جگہ پر نہیں ہو گا۔ جس سے موسموں اور اوقات صلوٰۃ وغیرہ میں فرق پڑ جائے گا۔ خاص سال میں 366 دن ہوں گے یعنی عام سالوں سے ایک

دن زیادہ۔ اس لئے خاص سال میں تبوک کا مہینہ 31 دن کا شمار ہو گا۔ چونکہ تبوک آخری مہینہ ہے اس لئے اس میں اضافے سے بقیہ سال متاثر نہیں ہو گا۔ بخلاف موجودہ عیسوی کیلینڈر کے جس میں اضافہ فروری میں کیا جاتا ہے۔ جس سے سال کے اگلے دس مہینے متاثر ہو جاتے ہیں۔ مہینوں کے نام ایسے رکھے گئے ہیں کہ جس سے اسلامی تاریخ اور ثقافت کا اظہار ہو۔ اور اس کے لئے یہ اصول رکھا گیا ہے کہ جو واقعہ تاریخ میں ترتیب کے لحاظ سے پہلے آتا ہو اس کو مہینوں کی ترتیب میں بھی پہلے لایا جائے۔ واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی سے لئے گئے ہیں۔ مثلاً پہلے مہینے کا نام حرا اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہیں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا فرمائی گئی تھی۔ اور معراج کے واقعے کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اس طرح تیسرے مہینے کا نام ثور ہے۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مبارک کی مناسبت سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی ابتداء یہیں سے فرمائی تھی۔ بقیہ مہینوں کے نام بھی ہجرت کے بعد مشہور واقعات کی ترتیب کے مطابق ہیں۔

کیلینڈر کی تیاری کے لئے کمپیوٹر پروگرام بھی تیار ہو چکا ہے۔ اس کے ذریعے گزشتہ تاریخوں کو جن کو عیسوی کیلینڈر کے مطابق کتابوں میں لکھا گیا ہے، مجوزہ شمسی ہجری کیلینڈر میں بدلنا تو بالکل آسان ہے، البتہ آئندہ کے لئے تاریخوں کو اس کے مطابق کرنے کے لئے حکومت کے بھرپور تعاون کی ضرورت ہے۔ راقم حکومت پاکستان اور تمام ممالک اسلامیہ سے پر زور اپیل کرتا ہے کہ اس کیلینڈر کے استعمال پر ہمدردانہ غور کیا جائے۔ اور علماء کرام سے مشورہ کرنے کے بعد اس کے نفاذ کا بندوبست کیا جائے۔ نمونے کے طور پر رواں سال یعنی 1399ھ کے شمسی ہجری کے آخری مہینے "تبوک" کی تاریخیں دی جاتی ہیں۔ اس میں شمسی ہجری تاریخیں اردو کے ہندسوں میں اور عیسوی تاریخیں مروجہ انگریزی ہندسوں میں ہیں۔ یہ صرف تعارف کے لئے ہے۔ جب تک شمسی ہجری سال کا مکمل تعارف نہ ہو چکا ہو، تو عیسوی تاریخ ساتھ مجبوراً دینی پڑے گی۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے آٹھ ایسے جدول تیار کئے گئے ہیں جن کے ذریعے تمام عیسوی تاریخوں کو شمسی ہجری تاریخوں میں تبدیل کیا جا سکے گا۔

ان جدولوں کو شمسی ہجری تقویم کی حتمی شکل کے بعد حتمی شکل دی جائے گی۔
اس کیلینڈر میں دنوں کے لئے عربی نام منتخب کئے گئے ہیں۔ کیونکہ مروجہ اردو ناموں میں اکثر نام مشرکانہ ہیں جن کی طرف ملک کے مقتدر علماء کرام نے راقم کی توجہ مبذول فرمائی تھی۔ جس کے لئے ادارہ ان علماء کرام کا خصوصی طور پر ممنون ہے۔
مساجد میں نمازوں کے اوقات کے جو نقشے آویزاں کئے جاتے ہیں ان کو بھی مجوزہ شمسی کیلینڈر کے مطابق تیار کرنے کے لئے کمپیوٹر پروگرام تیار کیا گیا ہے۔
تحدیث بالنعمت کے طور پر راقم عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا (ان شاء اللہ) اس کیلینڈر کے ساتھ کچھ خصوصی معاملہ ہے۔ جس وقت اس کیلینڈر کے مطابق نمازوں کے اوقات کا نقشہ بنانے کے لئے کمپیوٹر پروگرام بنایا گیا تو اس کے لئے بھی امکان خطا کا پروگرام تیار کیا گیا۔ اس پروگرام کو چلانے سے پتہ چلا کہ اس کیلینڈر کے مطابق نمازوں کے اوقات کے نقشوں میں خطا کا امکان عیسوی کیلینڈر کے مطابق نقشوں کے مقابلے میں کم ہے، نیز عیسوی کیلینڈر میں بہترین سال (وہ سال جس کی نمازوں کے اوقات کا فرق دوسرے سال کے اوقات سے کم سے کم فرق رکھتا ہو) 2022ء ہے جو کہ ظاہر ہے بعد میں آئے گا۔ اور پتہ نہیں استعمال ہو گا بھی یا نہیں، لیکن مجوزہ شمسی کیلینڈر کے مطابق تیار کردہ نقشوں کے لئے بہترین سال 1374ء ہے جو اگلے سال ہی آرہا ہے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیے کہ پہلے کم خطا اور پھر بتدریج زیادہ خطا کی طرف بڑھنا عین قدرتی امر ہے اس کے علاوہ صد سالہ تقویم کی تیاری کا نقشہ بھی مجوزہ کیلینڈر کے لئے زیادہ سیادہ، مختصر اور آسان ہے۔ ان تمام چیزویں کی وجوہات زیادہ تر فنی ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں البتہ اتنا کہنا شاید اہلِ فن کے لئے کافی ہو کہ لیپ سال کے اضافی دن کے لئے جگہ اس میں بہتر منتخب کی گئی جس کی یہ فنی برکات ظاہر ہو رہی ہیں۔
ایک کام بغیر کسی محنت کے فوراً کیا جا سکتا ہے کہ اس کیلینڈر کو فوری طور پر بکرمی کیلینڈر کا متبادل تسلیم کیا جائے کیونکہ اس کو حکومت کی سرپرستی حاصل نہیں ہے، نیز ہمارے دفتروں اور تنخواہوں وغیرہ کا انتظام اس سے متعلق نہیں

ہے اور اگر عوام اس کی جگہ اس مجوزہ کیلینڈر کا استعمال شروع کر دیں تو ان کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا کیونکہ بکرمی کیلینڈر کا اس کیلینڈر کے ساتھ فرق صرف چند دن ہوتا ہے اور یوں اس کیلینڈر کا تعارف بھی ہو جائے گا۔ ویسے بھی ایک ہندو کیلینڈر کے ساتھ ملتِ اسلامیہ کی کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے ان کو کچھ زیادہ محنت کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ بس مندرجہ ذیل جدول کے مطابق بکرمی مہینوں کی جگہ متبادل شمسی ہجری مہینوں کو استعمال کریں گے۔

بکرمی مہینے	شمسی ہجری مہینے
چیت	احزاب
بیساکھ	رضوان
جیٹھ	خیبر
ہاڑھ	فتح
ساون	حنین
بھادوں	تبوک
اسوج	حراء
کاتک	معراج
مگھر	ھجرۃ
پوہ	قباء
ماگھ	بدر
پھاگن	احد

ان بکرمی مہینوں کو لوگ صرف موسم کے لئے یاد رکھتے ہیں۔ مثلاً فصلوں کی کٹائی کا بیساکھ کے ذریعے یاد رکھنا، ساون میں بارشوں کا ہونا، پوہ میں سخت سردی کا پڑنا، اور پھاگن میں تیز ہواؤں کا چلنا وغیرہ۔ ان سب کے لئے بالترتیب احزاب، حُنین، قباء اور احد کے نام بھی لئے جا سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے کاروباری حضرات بالخصوص سٹیشنری کا کاروبار کرنے والوں سے درخواست ہے کہ وہ بکرمی کیلینڈر کی تاریخوں کی بجائے اب مجوزہ شمسی کیلینڈر کی تاریخیں چھاپ دیا کریں۔ ان شاء اللہ ان کو اس کا اجر ملے گا۔ اس طرح جن حضرات کی گھڑیوں پر تاریخیں بھی دی ہوتی ہیں۔ ان سے بھی التماس ہے کہ وہ اپنی گھڑیوں پر ان تاریخوں کو لائیں۔ الحمد للہ کئی علماء کرام نے دینی غیرت کے پیش نظر احقر کی درخواست سے پہلے ہی اس پر عمل شروع کیا ہوا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

علمائے کرام سے درخواست ہے کہ وہ اپنی مساجد میں مجوزہ شمسی کیلینڈر کے مطابق نمازوں کے اوقات کے نقشے آویزاں فرمائیں۔ مذکورہ بالا دو نقشوں کے ذریعے مجوزہ شمسی کیلینڈر کی تاریخ معلوم کرنا صرف دو سیکنڈ کا کام ہے، جس کو سیکھا جا سکتا ہے۔ مجوزہ شمسی ہجری سال کے مہینوں کے نام مفتیان کرام اور علماء کرام کے مشورے سے کافی سوچ بچار کے بعد رکھے گئے ہیں تاہم چونکہ یہ پوری ملت کی امانت ہے، اس لئے اس سلسلے میں مشورے جاری ہیں۔ اگر مشوروں کے نتیجے میں کوئی زیادہ بہتر تجویز آئی تو اس کا اعلان کیا جائے گا۔ ادارے کا پروگرام ہے کہ اس کو 23 ستمبر 1995ء سے پہلے حتمی شکل دے دیں۔ کیونکہ اس کے بعد دوسرا سال 1374ء شروع ہو گا۔ تاکہ اس کے لئے کیلینڈر کو چھاپنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ نیز اس کے بعد نمازوں کے اوقات کے جدید نقشوں کو بھی مجوزہ ناموں کے ساتھ عوام کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں ادارہ تحقیقات فلکیہ اسلامیہ ان شاء اللہ عالمی سطح پر تعارفی پروگرام شروع کرے گا۔ تمام اہل درد اور اہل ذوق حضرات سے اپیل کی جاتی ہے کہ اس میں تعاون فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ امت مسلمہ جلد بیدار ہو اور اپنی ثقافت سے، اپنے اطوار سے، اپنے اشعار سے وفا کرنا پھر سے سیکھ لے تاکہ جو مرغوبیت اغیار نے ہمارے ذہنوں میں مختلف طریقوں سے ڈالی ہے وہ نکل جائے اور ہم پھر سے

آزاد ذہن کے ساتھ زندہ رہنا سیکھ لیں۔ آیئے ہم آج عہد کریں کہ ہم اغیار کی ذہنی غلامی سے آزادی حاصل کریں گے اور آج سے ہم صرف اللہ تعالیٰ کی غلامی پر فخر کریں گے۔ مخلوق کی غلامی کا طوق اب ہمارے گلے میں نہیں رہے گا۔ ہمارا نصب العین اب صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہو گی۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی۔ بقول مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ۔

ہو جائے اگر ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

12. تبوک 1399ش ھ / محرم۔صفر 1443ھ / اگست ۔ ستمبر 2021ء

یوم الجمعة	یوم الخمیس	یوم الاربعاء	یوم الثلثاء	یوم الثنین	یوم الاحد	یوم السبت
۵ 27 ۱۷	۴ 26 ۱۶	۳ 25 ۱۵	۲ 24 ۱٤	۱ 23 ۱۳		
۱۲ 3 ۲٤	۱۱ 2 ۲۳	۱۰ 1 ۲۲	۹ 31 ۲۱	۸ 30 ۲۰	۷ 29 ۱۹	۶ 28 ۱۸
۱۹ 10 ۱	۱۸ 9 ۳۰	۱۷ 8 ۲۹	۱۶ 7 ۲۸	۱۵ 6 ۲۷	۱۴ 5 ۲۶	۱۳ 4 ۲۵
۲۶ 17 ۸	۲۵ 16 ۷	۲۴ 15 ٦	۲۳ 14 ٥	۲۲ 13 ٤	۲۱ 12 ۳	۲۰ 11 ۲
			۳۰ 21 ۱۲	۲۹ 20 ۱۱	۲۸ 19 ۱۰	۲۷ 18 ۹

خانقاہ کے شب و روز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

درسِ مثنوی میں جبر و اختیار کا انمول مضمون:

آج بتاریخ 5 جنوری 2021ء کو مثنوی شریف کے درس میں جبر و اختیار کے متعلق مضمون شامل تھا۔ اس موضوع پر حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اشعار کی صورت میں بہت عجیب مضمون بیان فرمایا ہے۔ جس کے بارے میں حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ یہ اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ اس کو الگ سے شائع کیا جانا چاہیے، کیونکہ اس میں بہت اہم باتیں سامنے آئی ہیں۔

حقیقتِ توحید و رسالت (پہلا حصہ) تکمیلِ درس و دعا:

آج بروز بدھ 13 جنوری 2021ء "حقیقتِ توحید و رسالت" کتاب کے پہلے حصے حقیقتِ توحید کا درس تکمیل کو پہنچا ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم کا معمول ہے کہ جو بھی دینی کام شروع ہوتا ہے یا تکمیل تک پہنچتا ہے تو اُس موقع پر وہ اہتمام کے ساتھ دعا مانگتے ہیں، کیونکہ ایسے بابرکت لمحات میں دعائیں قبول ہوتی ہیں، اس لئے اس موقع پر بھی حضرت نے اہتمام سے دعا مانگی اور ساتھیوں کو بھی وٹس ایپ گروپس پر اطلاع کر دی گئی تاکہ وہ بھی دعا میں شامل ہو جائیں۔

جامعہ فریدیہ کے اساتذۂ کرام کی خانقاہ آمد اور بیعت:

آج 19 جنوری 2021ء بروز منگل خانقاہ میں دن 12 سے 1 بجے تک جامعہ فریدیہ اسلام آباد کے تین بڑے اساتذۂ کرام نے حضرت سے ملاقات کی، بیعت کی اور اصلاحی ذکر لیا۔ مولانا حاشر صاحب اور مفتی صدیق صاحب بھی اس موقع پر موجود تھے۔

مفتی صدیق صاحب نے بتایا کہ ہر ماہ کے دوسرے ہفتے جامعہ فریدیہ اسلام آباد میں بعد نمازِ مغرب حضرت کا بیان ہوا کرے گا اور اس سلسلے کا آغاز آج

سے ہوا۔

حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم کی جامعہ فریدیہ کے علماء کرام کے ساتھ ملاقات:

حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم 19 جنوری 2021ء بروز منگل خانقاہ سے جامعہ فریدیہ اسلام آباد تشریف لے گئے، جہاں مغرب کے قریب پہنچے اور مغرب کے بعد اصلاحی بیان اور ذکر ہوا۔ جامعہ کے اساتذہ کے ساتھ مختصر نشست ہوئی جس میں حضرت شاہ صاحب نے حضرت مولانا عبد اللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنے تعلقات اور اسلام آباد میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی دینی کوششوں کا تذکرہ فرمایا۔ اس دوران حضرت شاہ صاحب نے وبائی امراض سے بچاؤ کے لئے حفاظتی وظائف اور "المنزل الجدید" کا بھی تعارف کرایا۔ مختصر نشست کے بعد کھانا ہوا اور عشاء کی نماز پڑھ کر حضرت شاہ صاحب جامع مسجد الرشید G-8 مرکز اسلام آباد تشریف لے گئے جہاں طلباء کو اصلاحی ذکر کرایا۔

29 جنوری 2021، جمعۃ المبارک:

آج دن 2 بجے مسجد شہداء کے مدرِس قاری صفی اللہ صاحب نے حضرت سے خانقاہ میں ملاقات کی، حضرت شاہ صاحب کے صاحب زادے احمد صاحب نے بتایا کہ قاری صفی اللہ حضرت شاہ صاحب کے صاحب زادے محمد کے استاد ہیں۔

انتقال پر ملال:

آج بتاریخ 8 فروری 2021ء حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم کی والدہ ماجدہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ مرحومہ کی وفات راولپنڈی میں حضرت کے گھر تقریباً دن ڈھائی بجے کے قریب ہوئی۔ جنازہ اور تدفین اُسی دن عصر اور مغرب کے درمیان حضرت کے آبائی گاؤں جہانگیرہ میں ہوئی۔ حضرت نے اس کا پورا اہتمام فرمایا کہ سب کچھ سُنت کے مطابق انجام دیا جائے۔

خانقاہ میں کراچی سے مہمانوں کی آمد:

18 فروری 2021ء بعد از ظہر شیخ ہمایوں حنیف نقشبندی صاحب (کراچی)

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ میں دو ساتھیوں کے ہمراہ حضرت اقدس سے ملاقات کے لئے تشریف لائے اور حضرت کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کی وفات پر تعزیت کی۔ حضرت شاہ صاحب نے شیخ شمس الرحمٰن عباسی صاحب دامت برکاتہم کی بیماری اور علاج کے متعلق دریافت فرمایا اور حضرت شیخ شمس الرحمن عباسی صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ اپنی ایک عجیب ملاقات کا تذکرہ فرمایا۔ اس ملاقات میں موجودہ دور کے سلاسلِ تصوف میں رائج رسومات کے متعلق گفتگو ہوئی۔ اس کے علاوہ نقشبندی سلسلے میں پائے جانے والے جمود، غلط فہمیوں اور اصولی غلطیوں پر تفصیلی بات چیت ہوئی۔ حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم نے مجددین کی تحقیقات کا خلاصہ پیش فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے نقشبندی اور چشتی سلسلہ ہائے تصوف کے درمیان جو جوڑ پیدا فرمایا تھا اُس کا تذکرہ کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے سہروردی سلسلے کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ بہت نفیس سلسلہ ہے اور میں اس پر کام کر رہا ہوں، کیونکہ یہ ہمارا خاندانی سلسلہ ہے اور آج کل بالکل گم ہو چکا ہے۔ لیکن الحمد للہ حضرت حلیم گُل بابا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف مقاماتِ قطبیہ و مقالات قدسیہ کا درس ہماری خانقاہ میں ہو چکا ہے جس میں ہمیں سہروردی سلسلے کے اذکار کا علم ہوا۔

آج کل کے مسائل کے بارے میں جو گفتگو ہوئی اُس کا خلاصہ افادۂ عام کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔

1۔ اس وقت دجالیت زوروں پر ہے اگرچہ دجال ابھی نہیں آیا مگر دجالیت چل رہی ہے۔

2۔ نقشبندی حضرات اپنے آپ کو محبوبین سمجھتے ہیں، اس کے باوجود مجاہدات سے اعراض کر رہے ہیں۔ حالانکہ متقدمین میں جو محبوبین گزرے ہیں وہ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ مجاہدات کرتے تھے۔

3۔ کچھ سلاسل میں اصلاح و تکمیل کے بغیر خلافتیں بانٹی جا رہی ہیں جو ایک اصولی غلطی ہے، جس سے بہت زیادہ خرابی پیدا ہو رہی ہے اور عوام کا تصوف سے دل متنفر ہو رہا ہے۔

4۔ حقیقت جذب و سلوک پر نظر ثانی کی جا رہی ہے جس کے اگلے

ایڈیشن میں مخالفین کے اشکالات اور اعتراضات کے جوابات شامل ہوں گے۔ مخالفین کے سوالات اس سلسلے میں خام مال کی طرح کام آ رہے ہیں۔ اس کا مقصد مخالفین کو سمجھانا نہیں ہے کیونکہ وہ سمجھنا نہیں چاہتے اور جو لوگ سمجھنا نہ چاہیں اُن پر اپنا وقت لگانا عبث ہے۔ بلکہ اس سے مقصد اُن لوگوں کو سمجھانا ہے جو اُن سے متاثر ہو رہے ہیں۔

رفاء یونیورسٹی کے لئے آن لائن بیان:

آج بتاریخ 5 مارچ 2021ء صبح 08:00 سے 09:30 بجے تک رفاء یونیورسٹی کے لئے "Microsoft Meeting" کے ذریعے حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم کا آن لائن بیان ہوا۔ بیان کا موضوع Knowledge is not sufficientitself تھا، جو رفاء یونیورسٹی کی انتظامیہ کی طرف سے طے کیا گیا تھا۔

بیان کے بعد شرکاء کی طرف سے سوالات بھی ہوئے جن کے حضرت شاہ صاحب برکاتم العالیہ نے جوابات دیئے۔